وَلَقَدْ يَسَّرْنَا ٱلْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 8	شمارہ 06	شعبان 1435ھ	جون 2014ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: سعد حسن خان

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زر تعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زر تعاون: اندرونِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَآلَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۂ عبس	3
2	بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات	روزہ اور قرآن	5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	درسِ قرآن مجید کی تیاری کیسے کریں؟4	انجینئر مختار فاروقی	10
5	تبلیغ دین، سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں	محمد فہیم خان (تیمر گرہ)	18
6	رسولِ اکرم ﷺ کے احسانات (حصہ دوم)	ڈاکٹر مقصود احمد	26
7	آنے والے دور میں عالمی سیاست کا مرکز، اصفہان	انجینئر مختار فاروقی	33
8	حقیقت توبہ	انجینئر مختار فاروقی	45

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ عبس 80 ﴿آیات 01-15﴾

سورۃ عبس کا مرکزی مضمون انذارِ آخرت ہی ہے۔ اس کی ابتدائی آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ آپ ان متکبر سرداروں کے پیچھے وقت ضائع نہ فرمائیں جو ایمان لانا ہی نہیں چاہتے اور آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جب تک آپ اپنے پاس سے اپنے غریب و مفلس ساتھیوں کو نہیں ہٹائیں گے اس وقت تک وہ آپ کی بات نہیں سنیں گے۔ آپ کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ آپ تمام لوگوں تک اللہ کا یہ پیغام پہنچا دیں، ان کے ایمان کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے بلکہ جو لوگ ایمان قبول کر چکے ہیں اور طالب بن کر آپ کے پاس آتے ہیں ان کی تربیت پر خصوصی توجہ دیں۔ یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی یاددہانی ہے جسے اللہ نے نہایت پاکیزہ اور عالی مقام صحیفوں میں محفوظ کیا ہے جس کا جی چاہے وہ اس سے فائدہ اُٹھالے (یہ ایسی چیز نہیں ہے کہ جو اِس سے منہ موڑے اِسے اُس کے سامنے منّت وسماجت کے ساتھ پیش کیا جائے)۔ پھر قیامت کے امکان پر دلیل ہے کہ انسان کی تخلیق، اسبابِ زندگانی اور یہ وسیع کائنات کا انتظام واضح شہادت ہے کہ ایک دن آئے گا جب کانوں کو بہرہ کرنے والی آواز آئے گی تو سب مردے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اُس دن ہر شخص کو اپنے سوا کسی کا ہوش نہیں ہوگا نہ بھائی کا نہ ماں اور باپ کا نہ بیوی اور اولاد کا۔ اس دن اہل ایمان کے چہرے روشن، ہنستے اور مسکراتے ہوں گے اور کافر و فاجر لوگوں کے چہروں پر گرد و غبار اور سیاہی چھائی ہوگی۔

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی O اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی O

ترش رو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے، کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا

وَ مَا یُدۡرِیۡكَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰۤی O

اور تم کو کیا خبر شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا

اَوۡ یَذَّکَّرُ فَتَنۡفَعَهُ الذِّکۡرٰی O

یا سوچتا تو سمجھانا اسے فائدہ دیتا

اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰی O فَاَنۡتَ لَهٗ تَصَدّٰی O

جو پروا نہیں کرتا اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو

وَ مَا عَلَیۡكَ اَلَّا یَزَّکّٰی O

حالانکہ اگر وہ نہ سنورے تو تم پر کچھ (الزام) نہیں

وَ اَمَّا مَنۡ جَآءَكَ یَسۡعٰی O وَ هُوَ یَخۡشٰی O

اور جو تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ (اللہ سے) ڈرتا ہے

فَاَنۡتَ عَنۡهُ تَلَهّٰی O

اس سے تم بے رخی کرتے ہو

کَلَّاۤ اِنَّهَا تَذۡکِرَةٌ O فَمَنۡ شَآءَ ذَکَرَهٗ O

دیکھو یہ (قرآن) نصیحت ہے، پس جو چاہے اسے یاد رکھے

فِیۡ صُحُفٍ مُّکَرَّمَةٍ O مَّرۡفُوۡعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ O

قابل ادب ورقوں میں (لکھا ہوا) جو بلند مقام پر رکھے ہوئے (اور) پاک ہیں

بِاَیۡدِیۡ سَفَرَةٍ کِرَامٍۭ بَرَرَةٍ O

(ایسے) لکھنے والوں کے ہاتھوں میں جو سردار اور نیکوکار ہیں

صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَظِیۡم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ:
اَلصِّیَامُ وَ الْقُرْآنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ، یَقُوْلُ الصِّیَامُ: اَیْ رَبِّ، اِنِّیْ مَنَعْتُہُ الطَّعَامَ وَ الشَّھَوَاتِ بِالنَّھَارِ، فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ وَ یَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ: مَنَعْتُہُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ، فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ فَیُشَفَّعَانِ

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے۔ (یعنی اس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سنے گا) روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرما) اور قرآن کہے گا: میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا، آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما)۔ چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لیے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا اور خاص مراحم خسروانہ سے اس کو نوازا جائے گا)“

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حرفِ آرزو

انجینئر مختار فاروقی

1

خالق ارض وسماء ﷻ نے انسان کو ایک 'منفرد' اور بااختیار مخلوق بنایا ہے یعنی انسان نیکی بدی اور اچھائی برائی میں تمیز کر کے اپنے لئے راستہ منتخب کرنے کا اختیار رکھتا ہے اسی وجہ سے اپنے اس فیصلے پر (چاہے نیکی کا راستہ اختیار کرے اور چاہے بدی کا راستہ اختیار کرے) جوابدہ ہے اور جزاء وسزا کا مستحق ہے آسمانی ہدایت میں 'یوم حساب' یا قیامت کا تصور اسی بات کا لازمی تقاضا ہے جہاں انصاف کے تمام تقاضے پورے کر کے ہر انسان کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔

دنیا میں انسان اسی اختیار کی وجہ سے اشرف المخلوقات کہلاتا ہے دنیا میں انبیاء کرام علیہم السلام اور آسمانی ہدایت کے زیر اثر انسانوں نے وقفے وقفے سے ایسے انسان دوست، علم دوست اور ماحول دوست حالات بنائے ہیں (جیسے خلافت راشدہ کا دورِ مسعود اور اس کے بعد بھی کئی اچھے حکمران) ان ادوار کے علاوہ مسلمانوں میں بھی بالعموم اور غیر مسلم اقوام (جو آسمانی وحی سے ناآشنا ہونے کے باعث ابلیسی نظریات کی حامل رہی ہیں) میں بالخصوص ظلم، ناانصافی، رنگ و نسل کو تفریق اور قتل وغارت جیسے جرائم میں یکتا رہی ہیں اور یہی ان کا ماضی ہے اور یہی ان کا 'حال' ہے اور یہی ان کا مستقبل ہوگا۔

انسانوں کے مابین اسی بنیاد پر اختلافات ہیں۔ ان اختلافات سے جھگڑے جنم لیتے ہیں پھر الفاظ کی جنگ شروع ہوتی ہے اور بالآخر اسلحہ کی جنگ تک بات جا پہنچتی ہے۔ تاریخ انسانی

میں آج سے چند ہزار سال پہلے بھی یہی ماحول تھا اور آج بھی یہی ماحول ہے۔ انسانوں کے مابین اختلافات اور تنازعات کی بھی ایک تاریخ ہے اور آج اُس نے ایک 'سائنس' یعنی منظّم علم کی شکل اختیار کرلی ہے۔ اس علم کی ابتدائی شکل کو سمجھنے کے لئے ایک مثال پر غور فرمائیں۔

دنیا کے کسی خطے میں اگر دو انسان آپس میں اُلجھ پڑیں اور بات گالم گلوچ سے بڑھ کر ہاتھا پائی پر آجائے حتیٰ کہ قتل جیسا انتہائی جرم بھی سرزد ہو جائے تو انسانوں میں ایسے دردمند اور صلح پسند لوگ ہوتے ہیں جو حرکت میں آتے ہیں اور جلد یا بدیر ایسے دو انسانوں یا ان کے خاندانوں میں بات صلح صفائی تک آجاتی ہے۔ فریقین کو بھی اکثر ضمیر کی خلش پر شرمندگی اور پشیمانی کا احساس دامن گیر ہوتا ہے۔ چونکہ انسان ایک نسل ہیں اور انسانی فطرت بھی ایک ہے لہٰذا دو انسانوں کا معاملہ ہو یا دو خاندانوں کا، یا دو قبیلوں کا یا دو ملکوں کا نفسیات انسانی اپنا کردار ادا کرتی ہے اور دیگر بین الانسانی معاملات کی طرح یہ معاملہ بھی سلجھ جاتا ہے اور جہاں یہ سانحہ رُونما ہوتا ہے وہاں کا ماحول دوبارہ انسان دوست ماحول بن جاتا ہے۔

اس پس منظر میں ایک DIMENSION کا اکثر اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اُوپر درج مثال میں اگر ایک فریق کے پیچھے اور پس پردہ کوئی اور 'قوت' ہو جس کا مفاد اسی فریق سے وابستہ ہے بالواسطہ مفاد ہو یا بلاواسطہ، انسانی اختلافات اور تنازعات میں یہ 'قوت' بالعموم بڑا مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔

تنازع کے ایک فریق کو در پردہ قوت اگر یہ یقین دہانی کرا دے کہ تم 'حق' پر ہو اور فتح تمہاری ہے تم ڈٹ جاؤ۔ تمہارے اخراجات میرے ذمہ، تمہارے گھر کا خرچہ میرے ذمہ، تمہارا نقصان بھی میرے ذمہ اس صورتِ حال میں مذکورہ فریق کے رویےّ میں تبدیلی آجاتی ہے اور صلح اور مذاکرات کے سارے اُصول دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور بات نتیجہ خیز نہیں ہو پاتی۔ اس پر اضافی مصیبت یہ ہوتی ہے کہ حالات کو دیکھ کر کوئی دوسری 'نادیدہ قوت' بھی میدان میں آکر دوسرے فریق کی بھی پیٹھ ٹھونک دے اور پشت پناہی شروع کر دے تو یہ 'دو انسانوں' کے اختلافات اور تنازع کا معاملہ ایسا اُلجھے گا کہ پشت ہا پشت فیصلہ نہیں ہوگا۔

قارئین کرام ـــــــ یہ صورت دو انسانوں کے درمیان بھی ہو سکتی ہے۔ دو برادریوں

اور دو قبیلوں کی سطح پر بھی یہ نادیدہ قوتیں سرگرم ہو سکتی ہیں اور دو ملکوں کے تنازعات میں بھی کوئی دو نادیدہ قوتیں یا 'نادیدہ ہاتھ' کارفرما ہو سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں ـــــ زیرِ بحث تنازعہ کبھی ختم ہوگا نہ حل ہوگا اور حالات کی سنگینی دن بدن بڑھتی جائے گی دونوں فریق ایک دوسرے کو غراتے رہیں گے اور مرتے مارتے رہیں گے جبکہ 'نادیدہ قوتیں' اور خفیہ ہاتھ' پیچھے پرامن طریقے پر زندگی گزارتے اپنے مقاصد حاصل کرتے رہیں گے۔

قارئین کرام ـــــ اس مثال پر غور فرمائیں اور پھر آج کے عالمی تنازعات اور بعض ملکی اور صوبائی معاملات پر فرمائیں تو آپ کو ان کے حل نہ ہونے کے پس پردہ اسی قسم کی صورتِ حال نظر آئے گی۔ بعض تنازعات میں دونوں فریقوں کے پیچھے 'نادیدہ قوت' کا ہاتھ نظر آئے گا اور بعض صورتوں میں ایک فریق کے پیچھے کسی نادیدہ قوت کی کارفرمائی محسوس ہوگی۔ کشمیر کا مسئلہ ہو یا فلسطین کا، چیچنیا کا ہو یا شام کی خانہ جنگی کا، افریقی ممالک میں مسلمانوں کا قتل عام کا معاملہ ہو یا لیبیا کا، افغانستان کا مسئلہ ہو یا پاکستان و بھارت کے سرحدی تنازعات کا، کالا باغ ڈیم کا مسئلہ ہو یا مقدس اسلامی شخصیات کی توہین کا، ہر جگہ یہی صورتِ حال نظر آئے گی۔

'یہ نادیدہ قوتیں' آج ترقی یافتہ ممالک کے پاس ہیں اور انہیں کی پروردہ ہیں۔ امریکی سی آئی اے دنیا کے 92 ممالک میں مداخلت کرتی ہے کئی سیاسی رہنماؤں سمیت NGO's کو فنڈ مہیا کرتی ہے اور اپنی مرضی کے افراد کو حکومت میں لانے کے عمل کی نگرانی کرتی ہے اور اس مشن کے لئے شخصیات کو قتل کر کے راستے سے ہٹانے سے گریز نہیں کرتی۔ اسی طرح برطانیہ، روس، فرانس، اسرائیل اور بھارت کی سرکاری ایجنسیاں ہیں جو دنیا بھر میں بالعموم اور مسلمانوں کے خلاف بالخصوص خصوصی اہداف کے حصول کے لئے سرگرم ہیں۔ انہیں اداروں میں اقوامِ متحدہ کا ادارہ بھی شامل ہے۔ یہ عالمی ایجنسیاں ـــــ مسلمانوں کے معاملات پر گہری نظر رکھتی ہیں اور 1995ء کی مسلمانوں کی ایک عالمی سطح کی کانفرنس (جو برطانیہ میں منعقد ہوئی تھی) کے بعد خصوصی ایجنڈے کے تحت کام کر رہی ہیں۔

برطانیہ میں منعقدہ انٹرنیشنل خلافت کانفرنس میں دنیا بھر کے مسلمان ممالک کے نمائندہ مندوبین نے اس رائے کا اظہارِ خیال کیا تھا کہ تمام مسلمان ممالک میں سے پاکستان وہ واحد اسلامی ملک ہے جہاں احیائے اسلام، خلافت کا قیام اور (اسلامی حکومت کے قیام) یا اسلامی

انقلاب کے امکانات کے لحاظ سے سب سے زیادہ اچھا ملک ہے۔اس کانفرنس کے فیصلے کے بعد جہاں پاکستان میں المہاجرون اور حزب التحریر جیسی جماعتوں نے کام شروع کیا وہاں ـــــ عالمی ایجنسیوں کو بھی مداخلت کا راستہ مل گیا اور اس وقت سے وہ عالمی ایجنسیاں (جو دنیا میں اسلام کے قیام اور اسلامی انقلاب کی مخالف ہیں)۔سرگرمِ عمل ہیں اور اپنے ہتھکنڈوں سے پاکستان کی خصوصی اسلامی شناخت کو مٹانے کے علاوہ تخریب کاری اور دہشت گردی جیسی کارروائیوں کو آگے بڑھا رہی ہیں۔

اُوپر درج مثال کی بات کو ذہن نشین کر کے آئندہ پاکستان اور مغربی طاقتوں کے معاملات کو اسی نقطہ نظر سے دیکھنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے۔ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰه، (ترمذی،عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ)

''مومن کی فراست سے ڈرو، کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔

ہر مسلمان کو حالات کا تجزیہ کرنے کے لئے ایسی ہی بصیرت اور فراست کی ضرورت ہے تاکہ عالمی ابلیسی جال سے نکل کر پاکستان اسلام کا گہوارہ بن سکے۔

2

رمضان المبارک کا مہینہ اواخر جون میں شروع ہوگا۔اس ماہِ مبارک میں دن کا روزہ اور رات کا قیام (تراویح) کی فضیلت احادیث مبارکہ سے واضح ہے۔پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں تراویح کے ساتھ قرآن پاک کے ترجمے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔قارئین کرام سے گزارش ہے کہ آپ بھی ایسے کسی سلسلے کو تلاش کر کے اس میں شامل ہوں اور اس ماہِ صیام میں ترجمۃ القرآن کی سماعت کی برکات سے فیض یاب ہوں کیا عجب کہ آپ کی زندگی میں بھی انقلاب آجائے۔

ؔ خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

درسِ قرآن کی تیاری کیسے کریں؟

انجینئر مختار فاروقی

5

دورانِ گفتگو اور تقریر ہر انسان کا انداز گفتگو اور لہجہ اس کے بیان پر ذاتی یقین کا اشارہ دیتا ہے۔ درسِ قرآن کی تیاری کے ضمن میں پانچویں بات جس کا مدرّس کو حد درجہ ادراک ہونا ضروری ہے وہ قرآن مجید کا کلام اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت محمد ﷺ کا زندہ معجزہ ہونے کا یقین ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حیاۃ طیبہ کے مکی دور میں جب قرآن مجید کا نزول شروع ہوا تو اہل مکہ کے باضمیر اور نیک سرشت لوگ تو پہل کر کے ایمان لائے جنہیں قرآن پاک 'اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ' کہہ کر پکارتا ہے۔(100:09)

دوسری قسم کے لوگ وہ خوش نصیب تھے جو ایمان لانے میں اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کا سا جوش اور جذبہ تو نہیں دکھا سکے مگر مخلص ہونے اور دل میں اللہ تعالیٰ پر یقین اور زندہ ضمیر (نفس لوامہ) کے باعث پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے علاوہ قرآن مجید کے مخالف اور معاند نہیں تھے۔ یہ لوگ ایمان جلدی نہ لا سکنے کے باوجود آپ ﷺ کو تنگ کرنے اور ذاتی طور پر ستانے جیسے برے افعال میں کبھی شریک نہیں ہوتے تھے۔ یہ بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جلد یا بدیر ایمان سے بہرہ ور ہوئے قرآن مجید ایسے خوش نصیبوں کو وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ

بِـاِحُسَـان (100:09) کا خطاب دیتا ہے۔اہل مکہ میں تیسری قسم کے لوگ وہ تھے جو ایمان بھی نہیں لائے اور اہل ایمان کو ستانے اور پریشان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔مسلمانوں میں جو جتنا نمایاں تھا،اس قسم کے کافران مسلمانوں کو اتنا ہی زیادہ ستاتے،طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے اور کردارکشی کرتے۔اس سوچ کا منطقی نتیجہ یہی تھا کہ وہ مسلمانوں کے آقا حضرت محمد ﷺ کے سب سے زیادہ شدید مخالف بن گئے۔مکی دور کے ابتدائی سالوں میں اہل مکہ نے حضرت محمد ﷺ کو ذاتی طور پر بہت زیادہ ستایا اور دکھ پہنچایا مگر آپ ﷺ خندہ پیشانی سے اہل ستم کے یہ سارے مظالم سہتے رہے اور اپنی دعوت کو آگے بڑھانے میں مصروف رہے۔

اہل مکہ کے نزدیک حضرت محمد ﷺ پر قرآن مجید کا نزول ہی معاذ اللہ سب سے بڑا 'فتنہ' تھا لہٰذا وہ قرآن مجید کے مخالف ہو گئے۔قرآن مجید جیسے جیسے نازل ہوتا اہل مکہ کے شریر اور سازشی عناصر قرآن پاک کی عبارات میں عیب نکالتے (حالانکہ وہ ہر قسم کے عیب سے پاک کلام ہے) وہ آپ ﷺ کی شخصیت میں بھی عیب جوئی کرتے اور فرضی الزام تراشی کا سہارا لیتے اور آپ ﷺ کو اہل ایمان اور اہل مکہ کی نگاہوں میں گرانے کے لئے کردارکشی کرتے حالانکہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔قرآن مجید فرماتا ہے کہ یَبۡغُوۡنَھَا عِوَجًا ـــــ وہ قرآن (اور صاحب قرآن) میں ٹیڑھ (عیوب) تلاش کرتے اور فرضی و من گھڑت عیب تھوپ دیتے جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ ہی نہ ہوتا۔اسی طرح کا ایک منحوس کام یہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ یہ 'قرآن مجید' اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ خود بناتے ہیں گھر میں کوئی عالم عجمی غلام چھپا رکھا ہے جس سے سیکھ کر ہمیں کہتے ہیں کہ یہ 'وحی' ہے اسی طرح یہ بھی ظاہر کرتے کہ آپ تجارت کی غرض سے چالیس سال کی عمر سے پہلے کئی ملکوں میں جاتے تھے وہاں سے باتیں سن کر اور کتابوں سے دیکھ کر اپنی زبان (عربی) میں ہمیں سناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ 'وحی' ہے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے اس 'الزام' کے بے حقیقت ہونے کے بارے میں اتنا فرمایا کہ آپ ﷺ 'اُمی' ہیں اور آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے لہٰذا یہ الزام نہایت بودا اور حقیقت سے دور ہے۔

اسی الزام کے حوالے سے کہ آپ ﷺ یہ قرآن مجید خود بنا کر ہمیں سناتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو مختلف انداز میں تین سطحوں پر چیلنج دیا ہے کہ قرآن پاک عربی زبان میں ہے جو حضرت

محمد ﷺ کی طرح تمہاری بھی مادری زبان ہے۔اگر تمہارا الزام (بالفرض) صحیح ہے تو:

(i) اس قرآن جیسا قرآن تم بھی بنا کر پیش کردو (88:17)—— مگر وہ ایسا نہ کرسکے۔

(ii) قرآن مجید کی سورتوں کی طرح (پورا قرآن نہ سہی) صرف دس سورتیں پیش کردو (11:13) اور اگر چاہو تو اکیلے اکیلے نہیں ملکر باہمی مشورے اور باہمی علمی استفادے سے یہ کام کرلو—— مگر اہل مکہ یہ بھی نہ کرسکے۔

(iii) قرآن مجید کی طرح کی صرف ایک ہی سورۃ پیش کردو (02:23-24) اس طرح کے الزام میں ذرا سا بھی 'صدق' ہوتا تو وہ ایسا ضرور کرتے۔

تاریخ گواہ ہے کہ وہ مل کر بھی ایسا نہیں کرسکے۔قرآن مجید کی سورتیں تو سورۃ 'الکوثر' اور 'العصر' کی طرح نہایت مختصر اور کل 'تین آیات' والی بھی ہیں تو اہل مکہ اہل زبان ہونے کے باوجود قرآن مجید جیسی عبارت کی ڈیڑھ دوسطریں بھی پیش نہیں کرسکے——اور قرآن مجید کا یہ معجزہ ہے کہ آج تک کوئی ایسا نہیں کرسکا (اور آئندہ بھی نہیں کرسکے گا ان شاءاللہ)

لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ اس طرح کا کلام جو حضرت محمد ﷺ لوگوں کو سنا رہے ہیں اور پیش کررہے ہیں ایسا کلام آپ ﷺ کے بیان اور دعوے کے عین مطابق اہل مکہ کے بس میں نہیں کہ وہ پیش کرسکیں۔جبکہ قرآن مجید ایک 'نادر کلام' کی حیثیت سے آپ ﷺ پر مکہ کے تیرہ سال اور بعد از ہجرت مدینہ منورہ کے 10 سالہ قیام کے دوران نازل ہوتا رہا اور مکمل ہوگیا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (03:05) ''آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کردیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا''

یہ قرآن مجید کہاں سے نازل ہوتا رہا جبکہ انسان اس جیسا کلام بنانے سے قاصر ہے؟ ——جواب صرف ایک ہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مقرّب فرشتے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے آپ ﷺ پر اتارا ہے۔

جب یہ کلام اللہ ہے تو کلام اللہ ہر کسی پر تو نازل نہیں ہوتا یہ شان تو پیغمبروں (علیہم السلام) کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنا کلام عطا فرماتا ہے لہٰذا یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ جس ہستی نے انسانیت کو

’قرآن مجید‘ دیا ہے (اور یہ ہستی حضرت محمد ﷺ سے علاوہ کوئی دوسری نہیں ہوسکتی) وہ عظیم الشان ہستی اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اور فرستادہ ہے۔ یہ بات آج سے چودہ صدیاں قبل بھی صحیح تھی کہ ’قرآن مجید‘ خود اس بات کا بین ثبوت تھا کہ اس ’کتاب‘ کا لانے والا اللہ تعالیٰ کا ’نبی‘ ہے ــــــ اور آج بھی ــــــ یہ کتاب قرآن مجید ــــــ زبانِ حال سے بول رہا ہے اور اعلان کر رہا ہے کہ چونکہ آج تک کسی انسان نے اس جیسا کلام ایک سورت کی مقدار بھی پیش نہیں کیا لہٰذا قرآن مجید کے لانے والے حضرت محمد ﷺ (اپنے دعوے کے مطابق) اللہ تعالیٰ کے (نبی) اور پیغمبر (علیہ السلام) ہیں۔

گویا قرآن مجید سیّدنا حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کا زندہ اور پائندہ معجزہ ہے۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے حسّی اور مادّی معجزات از قسم کھانے میں برکت، پانی میں برکت یا مردے کا زندہ ہو جانا بھی برحق تھے مگر وہ معجزات اب تاریخ کا ایک حصہ ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ ایسا ہوا تھا مگر ان واقعات کو اب لوگوں کے سامنے بطور دلیل پیش نہیں کر سکتے۔ جبکہ ــــــ قرآن مجید اس لئے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا زندہ معجزہ ہے کہ اس کو آپ آج بھی مخالفین اور معترضین کے سامنے پیش کر سکتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کے چیلنج کا جواب دیں اور وہ قیامت تک اس کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ لہٰذا یہ قرآن ثابت کر دے گا کہ اس کے لانے والے حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے برحق پیغمبر ﷺ (فداہ آباؤنا واُمہاتنا) ہیں۔

اس بات کے یقین کی جتنی ضرورت درس قرآن دیتے وقت ہے شاید کوئی دوسرا موقع نہ ہو؛ لہٰذا شعوری اور غیر شعوری دونوں طریقے سے یہ بات آپ کے انداز بیان سے ظاہر ہو اور آپ اسے اپنے سامعین کے اندر بالارادہ اتارنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

6

انسان اس دنیا میں آتا ہے تو ابتدائی دس بارہ سال تو بالکل طفولیت کے ہوتے ہیں پھر شعوری عمر میں رشتہ دار، برادری، معاشرہ، کھانا کمانا وغیرہ کے معلاملات کا تجربہ حاصل کرتا ہے بعدازاں اپنی حیثیت، تعلیم اور ماحول کے مطابق اسے زراعت، صنعت، رہن سہن، صحت، عدالت، کچہری، تھانے، سیاست، حکومت، جبر، لوٹ گھسوٹ، چوری، ڈاکے، تشدد، حکومت پولیس، سماجی رویّے اور معاشیات سے واسطہ پڑتا ہے۔ انسانوں کی اکثریت اسی کھیل میں ساری

زندگی گزار کر دنیا سے رخصت ہو جاتی ہے۔

ہر باشعور انسان کو اپنے گرد دیگر انسانوں سے رابطہ کے ذریعے ان اوپر درج کردہ معاملات میں سینکڑوں قسم کے نظریات وخیالات سننے کو ملتے ہیں۔ انسان کو عملی زندگی میں اپنے اندر نیکی اور بدی کی قوت کا احساس بھی ہوتا ہے اور کائنات کی وسعت و پنہائی اور اس کے عجائبات کا بھی۔

تاہم یہ بات اپنی جگہ ہے کہ دنیا کے انسانوں کی عظیم اکثریت اس بات کا کوئی جواب از خود فراہم نہیں کرسکتی کہ اس کائنات کا خالق کون ہے؟ انسان دنیا میں کیوں آیا ہے؟ دنیا میں دکھ اور غم کیوں ہیں؟ دکھوں سے نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ انسان مرکر کہاں چلا جاتا ہے۔ انسانی رویّوں امانت دیانت یا لوٹ گھسوٹ اور بدیانتی کا کہاں حساب ہوگا؟ ظلم کا کو حساب لے گا؟ جبر و استبداد کا راستہ کب اور کون روکے گا؟ انصاف کہاں ملتا ہے؟ انسان کے نزدیک حقیقی اقدار کیا ہیں؟ اس کائنات میں انسان کا مقام کیا ہے؟ اور اس کا کردار کیا ہے؟ یہ اور اس طرح کے دیگر بے شمار سوالات کا جواب کسی ایسے عقل مند انسان کے پاس بھی نہیں ہے جو آسمانی ہدایت سے تہی دست ہو۔

ان سوالوں کا جواب ازمنہ قدیم سے تاریخ کے صفحات پر درج ہے اور سینہ در سینہ چلا آرہا ہے۔ کچھ انسان جو اپنے کردار اور طرز عمل میں انسان دوست، خادمِ خلق اور خلق خدا کے لئے رحمت تھے، مفاد پرست، لوٹ گھسوٹ کرنے والے اور جابر نہیں تھے ان کے مثبت کردار کی دنیا معترف تھی انہوں نے دنیا سے ذاتی مفاد کم سے کم اُٹھایا ـــــــ ایسے انسانوں کو تاریخ کے ہر قابل ذکر معاشرے میں نبی، رسول، اوتار یا پیغمبر کہا گیا ہے۔

ان خصوصی لوگوں کا دعویٰ تھا کہ ان کا اس کائنات کے خالق سے ایک تعلق ہے اس ہستی نے انہیں منتخب کر کے اپنے پیغامات سے نوازا ہے اور ہدایات دی ہیں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ہم بھی تمہاری طرح کے انسان ہیں بس ـــــــ 'شرفِ وحی' کی وجہ سے کچھ خصوصیت حاصل ہے۔ ورنہ اللہ کی بندگی میں وہ دوسروں کے برابر ہی نہیں دوسروں کے لئے نمونہ اور رول ماڈل بننے کے پابند بھی ہیں۔ خلق خدا اگر ہمارا کہنا نہ مانے تو وہ خود رب کائنات کو جواب دہ ہوں گے ان کے دعویٰ کے مطابق وہ اگر اپنے رب کے حکم کی سرتابی کریں گے تو وہ انہیں سخت ترین سزا دے گا۔

اولادِ آدم علیہ السلام کے یہ خصوصی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کہلائے۔ حضرت آدم علیہ السلام

پہلے حقیقی انسان اور پہلے نبی بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے شروع میں ہر بستی اور قابل ذکر آبادی میں لوگوں کے اندر سے انہیں کی برادری کے لوگ انہیں کی زبان بولنے والے پیغمبر بنا کر بھیجے تھے۔ بعدازاں بڑی بڑی بادشاہتوں میں بھیجے تھے اور سب سے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے اللہ تعالیٰ نے ان پیغمبروں کو زبانی ہدایات بھی دیں اور لکھی ہوئی ہدایات بھی عطا فرمائیں۔ صحیفے، زُبر اور کتابیں عطا فرمائیں۔ مشہور چار کتابیں ہیں ــــــ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو، زبور حضرت داؤد علیہ السلام کو، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور قرآن مجید جیسی کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی۔ سابقہ صحیفے عبوری دور کے لئے تھے اس لئے وہ محفوظ نہ رہ سکے سابقہ کتب ویسے بھی اپنے ماحول اور حالات کے پس منظر میں تھیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا۔ یہ کتابیں اپنے ماننے والوں کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکیں اور آج ہوتیں بھی تو قرآن مجید کی موجودگی میں عمل تو بہرحال قرآن پر ہی ہونا تھا تاہم REAL CLASSIC لٹریچر ضرور کہلاتیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں ان کو جو کتاب (قرآن مجید) عطا ہوئی وہ اب آخری ہدایت، مکمل ہدایت اور ابدی ہدایت ہے۔ اس کی حفاظت کا ذمہ خود ربّ کائنات نے لیا ہے (09:15) اور نتیجتاً گزشتہ ڈیڑھ ہزار سال سے محفوظ چلا آرہا ہے۔ ان حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات یکساں تھیں، ایک تھیں بنیادی تعلیمات توحید، نبوت، رسالت، آخرت، اخلاقی تعلیمات ایک ہی تھیں۔ تفصیلی معاملات میں انسانی ترقی کے درمیانی ادوار میں عبوری قسم کے خصوصی ماحول کے لیے احکام تھے جواب محفوظ بھی نہیں ہیں۔

ان حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے انسانوں کو بتایا ہے کہ:

- اس کائنات کا ایک خالق و مالک ہے۔
- وہ تمام بھلائیوں اور خوبیوں کا سرچشمہ ہے۔
- وہ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔
- وہ رحمان ہے رحیم ہے مالک یوم الدین ہے۔
- وہ عبادت کے لائق واحد ہستی ہے۔ استعانت کے حامل بھی وہی اکیلی ہستی ہے۔
- اس اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ انسان کو روح اور جسد کا مجموعہ بنایا ہے۔ مسجود ملائک

بنایا ہے۔ حواس خمسہ دیے ہیں عقل، ذہین، دماغ، دل، فواد، ضمیر اور نیکی بدی کی تمیز دی ہے۔

- انسانوں کو نفس مطمئنہ، نفس لوّامہ اور نفس امارہ کی طرز پر تقسیم کر دیا ہے۔
- انسان کی رہنمائی کے لئے پیغمبر مبعوث فرمائے۔ ان پیغمبروں نے اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر بھی لوگوں کو توحید، معاد اور اچھی زندگی گزارنے کا راستہ بتایا مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لائے، اُلٹا ایسے لوگوں اور ایمان لانے والوں کو ستاتے رہے اور تکلیفیں دیں۔ ان پیغمبروں نے لوگوں کی طرف سے دی جانے والی تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اپنے موقف پر قائم رہے کئی نبی قتل بھی ہوگئے اہل ایمان بھی قتل ہوگئے مگر وہ اپنے موقف سے ذرا نہ ہٹے۔
- ان مخلص انسان دوست انبیاء کرام علیہم السلام نے زندگی بھر لوگوں کو ان تعلیمات سے روشناس کرانے کا کوئی معاوضہ یا اجرت نہیں لی۔ ان کے خلوص کا یہی سب سے بڑا ثبوت ہے۔
- ان حضرات نے لوگوں کو بتایا کہ ہر انسان کو مرنا ہے اور مرنا ختم ہونے کا نام نہیں ہے بلکہ ایک اور دنیا میں چلے جانے کا نام ہے ان حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے علاوہ فرشتے اور جن بھی پیدا کیے ہیں۔ خیر اور شر کی قوتیں پیدا کی ہیں شیاطین پیدا کیے ہیں۔ فرشتے نیکی کے راستے کی ہدایت کرتے ہیں تو شیاطین برائی کے راستے کی طرف لے جاتے ہیں۔
- ان حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات یہ تھیں کہ ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بدی کی تعلیمات رکھی ہیں اور ہر شخص کو اپنے اچھے برے ہونے کا احساس ہے۔ اس دنیا میں کسی انسان کی اچھائی کا فیصلہ نہیں ہوتا نہ ہوسکتا ہے، یہ دنیا دارالامتحان ہے، یہاں ہر آدمی امتحان و آزمائش سے گزر رہا ہے مرنے کے بعد ایک دن آئے گا جہاں ہر شخص زندہ کر کے دوبارہ پیش کر دیا جائے گا۔ وہاں نہ سفارش چلے گی نہ دوستی، نہ پیشہ کام آئے گا نہ تعلقات، صرف اعمال کام آئیں گے وہاں انصاف ہوگا وہاں انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے مطابق اور آسمانی وحی کے مطابق ہی فیصلے ہوں گے اور اچھائی کا نتیجہ ہمیشہ ہمیش کی جنت اور آرام ہوگا اور برائی کا نتیجہ ابدی آگ اور جہنم ہوگی۔

یہ حقائق جو موت کی سرحد کے پار ہیں اور وہ دنیا اس دنیا سے کہیں وسیع، حقیقی، پائیدار

اور نعمتوں والی ہے، کا تذکرہ صرف انبیائے کرام علیہم السلام نے ہی کیا ہے۔ دنیا کا کوئی فلسفی، ماہر نفسیات، عالم حیوانات یا عالم نباتات یہ بتانے سے قاصر ہے۔

ان علوم کا تعلق حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے ہے اور وحی سے ہے اور قرآن مجید سابقہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا خلاصہ اور ابدی ہدایت ہے اور قیامت تک آنے والے تمام حالات و واقعات کا مرقّع اور ان حالات میں صحیح طرزِ عمل اختیار کرنے کی ہدایت پر مشتمل ہے۔ اسی قرآن مجید پر عمل پیرا رہے ہمارے آقا فداہ آباؤنا واُمہاتنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو 'قرآن مجسم' تھے اور یہی قرآن مجید ـــــــ ہمارے لئے بھی حقیقی اور ابدی ہدایت کا سرچشمہ ہے

انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات پر جیسا یقین درکار ہے وہ نیک اور صالح لوگوں کے وعظوں، تقاریر، خطابات، تحریروں، کتابوں، کیسٹوں سے کہیں زیادہ مؤثر اور دل ہلا دینے والے انداز میں خود ـــــــ خالق کائنات کے کلام قرآن مجید میں موجود ہے۔ کمی اگر ہے تو یہ کہ ہم اس قرآن مجید کی زبان نہیں جانتے اور اس کو سمجھتے نہیں ہیں۔

دروسِ قرآن مجید میں ان حقائق کا صحیح ادراک صحیح بیان اور ان حقائق کو (جو ان آنکھوں سے نظر نہیں آتے) سامنے رکھنا حقیقی ایمان ہے اور یہ ایمان صرف قرآن مجید کے مطالعے اور صحیح سمجھ کر پڑھنے سے ہی پیدا ہوسکتا ہے۔ سورۃ الانفال کے آغاز اور سورۃ الاحزاب کے وسط میں ہے کہ اہل ایمان کے دلوں میں قرآن مجید پڑھنے سننے اور جہاد کے تذکرے سے ایمان بڑھ جاتا ہے۔ یقیناً قرآن مجید ا ایمان حقیقی پیدا کرنے والی سب سے مؤثر سب سے آسان اور تیر بہدف نتائج پیدا کرنے والی کتاب ہے۔

اس قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے اور درسِ قرآن دینے سے پہلے مدرّس کو ان حقائق کا ادراک ہوگا اور جتنا گہرا ادراک ہوگا اتنے ہی جاندار انداز میں اپنے سامعین تک یہ احساس منتقل ہوگا۔ درسِ قرآن کی تیاری اور ادائیگی کے لیے مسلسل اپنی کمیوں اور کوتاہیوں پر نظر رہے اور بہتری کی کوششیں جاری رہیں تو ان شاء اللہ جلد وہ دن آجائے گا جب قرآن مجید کی تعلیمات عام ہو جائیں گی اور مسلمان اُمت کے قلوب آسمانی ہدایت سے بھر جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت خصوصی سے جہاد کے مراحل سے گزر کر جلد اسلام کا عالمی غلبہ ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ اس اہم کامیابی میں ادنیٰ سا حصہ ہمارا بھی ہوگا۔

تبلیغِ دین

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

محمد فہیم خان
(تیمر گرہ)

تبلیغِ دین یا تبلیغِ اسلام اُمتِ مسلمہ کے ذمے ایک اہم دینی فریضہ ہے اور دین اسلام کو زندہ رکھنے اور اسے مسلسل تقویت پہنچانے کا ایک ناگزیر ذریعہ بھی۔ اگر دین کی صحیح طور پر مسلسل تبلیغ ودعوت کے ذریعے آبیاری نہ ہوتی تو دین کو سکڑ کر رہ جانے کا خطرہ لاحق ہونا ردّ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ وہ کام ہے جسے انبیاء کرام علیہم السلام، ان کے حواریوں اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور صلحائے اُمت کی مستقل سنت مانا جاتا ہے۔ تبلیغ دین کا بنیادی سبق اللہ کی طرف سے بلاوا اور اِنذارِ آخرت ہے جن کے لیے ایمان حقیقی کی روشنی میں عمل صالح کے لیے خلوص دل کے ساتھ دعوت دینے کی ذمہ داری پوری کرنی ہوتی ہے۔ انذار وتبشیر وہ اصل پیغام ہے جو تمام انبیاء کی دعوت کی بنیادی صفت رہی ہے اس بنیادی خصوصیت کے ساتھ ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کی ایک امتیازی شان یہ ہے کہ آپ نے بالفعل اس دین کو ایک اجتماعی نظام کی حیثیت سے غالب کر دیا اور دین اسلام کے تقاضوں اور اصولوں کے مطابق ایک اجتماعی معاشرہ کی تشکیل فرمادی۔ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس میں دین کی تعلیمات اور اصولوں پر انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنا نہ صرف یہ کہ آسان اور قابل عمل ہوا بلکہ دینی اصولوں سے انحراف کی راہیں ہی مسدود ہو کے رہ گئیں۔ بہ الفاظ دیگر آپ ﷺ نے دین کا بول بالا کر دیا اور اجتماعی زندگی کی گاڑی صحیح نہج اور ڈھج کے ساتھ آگے بڑھنی شروع ہوگئی افراد کے لیے اپنی منزل یعنی فلاحِ اُخروی کے حصول کے لیے اجتماعی حالات اور ظروف واحوال کو

نہایت ہی ممد ومعاون بنا کر آگے بڑھنے کے لیے ماحول کو سازگار بنا دیا گیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہایت جان گھسل مشقت اور قربانیوں کے بعد اللہ کے دین (دین اسلام) کو بہ تمام وکمال نافذ کر کے انسانیت کو جہالت اور کفر کے اندھیروں سے نکال کر اللہ تعالیٰ تک پہنچنے والے صحیح رستے پر گامزن فرمایا، نہ صرف یہ کہ انفرادی طور پر عبادتِ ربّ کے تقاضے پورے کرنے کے عمل کو آسان کر دیا بلکہ اجتماعی زندگی یعنی معاشرتی، معاشی اور سیاسی سطح پر اجتماعیت اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اصولوں پر آگے بڑھنے لگی۔ جب ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کو بہ نظرِ عمیق دیکھتے ہیں تو ہمیں آپ کے تبلیغ دین اور اقامت دین کے عمل کے جو خدوخال نظر آتے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے جب اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو ساتھ ہی آپ ﷺ نے اپنا ''منشور'' پوری طرح اور بالکل واضح طور پر انسانیت کے سامنے پیش کیا۔ قرآن نے مختلف پیرایوں میں نہایت صریح طور پر آپ ﷺ کے مشن کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ مثلاً قرآن حکیم کے بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ایک یعنی سورۃ المدثر کی بالکل ابتدائی تین آیات میں پورا پیغام چند ہی الفاظ میں معجزانہ طور پر سمو دیا گیا ہے۔ فرمایا:

''اے لحاف میں لیٹنے والے! کھڑا ہو اور............اپنے رب کی کبریائی کر''

یعنی اے محمدؐ! اس مشکل اور بارگراں یعنی رسالت کے کام کے لیے اب کمر ہمت کس کر میدانِ عمل میں اُتر جائیے۔ اب یہ فریضہ اپنے منطقی انجام تک پہنچانا یعنی انداز سے لے کر ربّ کی کبریائی منوانے اور قائم کروانے کی حد تک جدو جہد کرنا ہے۔ اس ذمہ داری کو سونپنے سے پہلے ہی سورۃ المزمل میں فرمایا گیا تھا کہ عنقریب ہم آپ (ﷺ) پر بھاری بات (بوجھ ذمہ داری) ڈالنے والے ہیں۔ اسی لئے تورات کے وقت جاگنے اور قرآن کی مسلسل تلاوت کرنے کے ذریعے آپ کی ذاتی تربیت کا اہتمام فرما گیا تھا۔ چنانچہ اب حکم ہوا کہ اب اُٹھو اور اس کام کے لیے لوگوں کو بلاؤ، ان کے دلوں میں ایمان حقیقی راسخ کرو اور ان کو تربیت کے مراحل سے گزار کر کندن بناؤ تا کہ وہ حق کے علمبردار بن کر پورے حق کو پوری انسانیت تک نہ صرف پہنچائیں بلکہ بالفعل اللہ کی کبریائی نافذ کرنے کے لیے تن من دھن کی قربانی کے لیے تیار ہو جائیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے مکی زندگی کے دور میں قرآن پاک کی آیتوں کی روشنی میں لوگوں کو دعوت دی، جن جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول کر کے ایمان لایا ان کے دلوں میں آپ نے قرآنی آیات کے ذریعے ایمان کو راسخ کر دیا اور کھبادیا (الحجرات آیت 7) ان کی بالقرآن تعلیم وتزکیہ فرمائی یعنی ان کی تربیت جاری رکھی ان کو سمع وطاعت کا خوگر بنادیا (تغابن آیت 16) یہاں تک کہ ایک ایسی جمعیت فراہم فرمادی جو ہر لحاظ سے قرآنی صفات سے مزین تھی اور قرآن نے ان کو حزب اللہ کے نام سے پکارا۔ یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ کی تبلیغ کی پہلی منزل جمعیت فراہم کرنا تھی اور اس کے لیے قرآن نے جو مشن متعین فرمایا وہ یہ تھا کہ اعلانِ کلمۃ اللہ سے اعلائے کلمۃ اللہ تک پورا سلوک (Process) قولاً اور عملاً انسانیت کے سامنے رکھ کر واضح فرمایا جائے۔ چنانچہ حکم ہوا: ''دین قائم کرو اور اس کے بارے میں تفرقہ میں نہ پڑو (شوریٰ آیت 13) جس طرح کہ قرآنی حکم ہے: اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (نماز قائم کرو) اسی طرح یہ بھی قرآنی حکم ہے کہ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (شوریٰ آیت 13) لہٰذا اس بات میں کوئی ابہام ہی نہیں رہا کہ آنحضور ﷺ کا مشن جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے پورا کروایا وہ یہی تھا کہ اسلام کو بحیثیت دین دُنیا میں غالب فرمادے تا کہ وہ نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں پر نافذ ہو۔ اسی سورہ شوریٰ میں آگے جا کر فرمایا اے نبی ڈٹ جاؤ (آیت 15) اور کسی کی بات پر دھیان مت دو اور ان لوگوں کی خواہشات کو کوئی اہمیت نہ دو۔ آگے جا کر نبی اکرم ﷺ کی زبان سے کہلوایا گیا ''مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل قائم کروں'' (الشوریٰ آیت 15) یعنی یہ کہ میں صرف واعظ اور مبلغ بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں مگر میں ایک مشن کے ساتھ آیا ہوں کہ دین (اسلام) کو زندگی کی ہر جہت پر غالب اور نافذ کر دوں اور انسانیت کے لیے ایک ایسا اجتماعی نظام برپا کر دوں جو عدل وقسط پر مبنی ہو تا کہ اس اجتماعیت کی چھتری کے تحت انسان کے لیے عبادتِ رب آسان ہو جائے۔

نبی اکرم ﷺ نے 13 سال کی محنت شاقہ کے نتیجے میں وہ جمعیت تیار کی اور اللہ نے مدینہ کی صورت میں آپ ﷺ اور اہل ایمان کے لیے ایک ٹھکانہ (Base) فراہم فرمایا جہاں ہجرت کر کے آپ ﷺ نے اس عظیم مشن کے لیے لائحہ عمل طے فرمایا۔ نتیجتاً دُنیا نے دیکھ لیا کہ کس

طرح آپؐ اور آپ کے صحابہؓ نے اپنے منشور کو مختلف مراحل سے گزار کر منطقی انجام تک پہنچایا اور ''حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا'' (سورہ بنی اسرائیل آیت 81)

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے آپ ﷺ نے ابتداء ہی سے اپنی دعوت کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا اور اپنے مشن کی از ابتداء تا آخر مکمل نشاندہی فرمائی۔ قرآنی تعلیمات اور حضور ﷺ کی سیرت اس پر شاہد ہیں کہ اس مشن کے تین ہی سنگ ہائے میل متعین کی جاسکتی ہیں۔ یعنی یہ کہ بندہ خود اللہ کی بندگی اختیار کرے اور امکانی حد تک بندگی کے تقاضے پورے کرنے کے لیے دل وجان سے پورے خلوص اور للّٰہیت کے ساتھ کوشش کرے اور ہمہ وقت اور ہمہ جہت بندگی رب کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش جاری رکھے۔ اس بندگی رب یا عبادتِ رب ہی کا تقاضا ہے کہ اس خیر کی طرف دوسرے انسانوں کو بھی بلایا جائے اور اس کی دعوت دی جائے کہ یہ جو نعمت ملی ہے اسے دوسروں تک پہنچایا جائے۔ حضور ﷺ نے انسانوں کو اسی خیر کی طرف بلایا۔ آپؐ اور آپ کے صحابہؓ نے اسی کلمہ حق کی طرف دعوت دی اور جن لوگوں نے دعوت قبول کی حضور ﷺ نے بحیثیت ایک مربی ومزکی ان کی تربیت وتزکیہ کا اہتمام فرمایا اور آپ نے ان کی معیت میں فرداً فرداً اور اجتماعاً مخلوقِ خدا کو تسلسل کے ساتھ یہ پیغام پہنچایا اور حق تبلیغ ادا فرمایا۔ چنانچہ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی یہ جماعت حضور ﷺ کی اقتدا میں جب مدینہ منتقل ہوگئی تو وہاں سے اب تیسرا مرحلہ یا تیسری منزل شروع ہو جاتی ہے یعنی تبلیغ ودعوت کی آخری منزل کی طرف بالفعل پیش قدمی شروع ہوگئی اور وہ یہ کہ قرآنی ہدایات کی روشنی میں اللہ کے دین کے غلبہ اور اسے اجتماعی زندگی پر بالا دست بنانے کے لیے جدوجہد کی گئی۔ حضور ﷺ نے جو اقدامات فرمائے وہ تاریخ کی صفحات پر مستقل طور پر ثبت ہیں یعنی دین کی بالا دستی یا قرآنی الفاظ میں اظہار دین الحق کے لیے آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی معیت میں جنگیں بھی لڑیں، معاہدے بھی کیے، صلح بھی کی، سفارت کاری بھی کی، پیغامات بھی بھجوائے، چیلنج بھی دیے، معرکے بھی کیے، تعلیمی وتربیتی وفود بھی بھیج دیے، مبلغ بھی روانہ کیے اور لشکر بھی ترتیب دیے، ایلچی بھی بھیج دیے اور مکتوبات بھی۔ یعنی سیرت النبی ہمیں یہ بتاتی ہے اور ہماری اس طرف رہنمائی کرتی ہے کہ دین اسلام کی ہمہ گیر تبلیغ کا مکمل تصور یہ ہے کہ اُمت مسلمہ حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کل تعلیمات کو بحیثیت

ایک کل (Package) اپنانے اور دین اسلام کے مکمل تصور اور لائحہ عمل یعنی عبادتِ ربّ، شہادت علی الناس اور اقامت دین تینوں جہات کو نہ صرف علمی طور پر سمجھے اور جان لے بلکہ عملی طور پر ان تینوں مراحل پر بیک وقت کام کرنے کے لیے جدوجہد کرے۔ سیرت النبی کا مطالعہ اگر آپ کی تبلیغ دین اور جدوجہد کے حوالے سے کیا جائے تو ہم پر یہ حقیقت بالکل روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ محمدی تبلیغ کا تقاضا یہ ہے کہ ہماری تبلیغ کا ہدف بھی اُدۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً (208:02) کا ہو یعنی عبادتِ ربّ، شہادت علی الناس اور اقامت دین کی جدوجہد۔ تاکہ دین کا تصور جزوی نہ رہے بلکہ کل کا کل رہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں سے جزوی نہیں بلکہ پورے پورے دین کا تقاضا کرتا ہے اس لئے منطقی طور پر تبلیغ بھی پورے دین کی ہونی چاہیے نہ کہ جزوی۔

اسوۂ رسول ﷺ اور سیرتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہمیں یہ سبق بالکل واضح اور غیر مبہم طور پر صاف اور شفاف معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں مراحل یعنی عبادتِ رب، شہادت علی الناس اور اقامت دین کے فریضہ کی جدوجہد میں اس برگزیدہ جماعت کا آلہ دعوت و انقلاب آیات قرآنی ہی تھیں۔ قرآن ہی کے ذریعے انذار و تبشیر، تزکیہ و تربیت، دعوت و تبلیغ، درس و تدریس، تعلیم و تعلّم، تبیین و تشریح، غرض یہ کہ ہر ایک ہدف کے لیے قرآن ہی کو ذریعہ بنایا گیا۔ چنانچہ قرآن خود ہی گواہی دیتا ہے کہ غلبہ دین و اظہار دین کے لیے جہاں رسول ﷺ کی امتیازی شان بیان کی گئی ہے هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ ...... (التوبہ آیت 33، الفتح آیت 28، الصّف آیت 9) وہاں چار مقامات پر الفاظ اور ترتیب کی معمولی تبدیلی کے ساتھ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ حضور ﷺ کا ذریعہ انقلاب قرآنی آیات کی تلاوت اور اسی ہی کی تعلیم اور اسی کے ذریعے تزکیہ تھا (البقرہ آیت 129 و 151، آل عمران آیت 164 اور الجمعہ 3)

سیرت النبی ﷺ اور سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک اور اہم منزل کی جو نشاندہی ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مدینہ ہجرت کے بعد ابتدائی چھ مہینوں کے دوران تین اہم کاموں (یعنی مسجد نبوی کی تعمیر، مواخاۃ اور قبائل کے ساتھ معاہدے) کی تکمیل کے بعد دیر لگائے بغیر آپ ﷺ نے وہ تمام اقدامات بروئے کار لائے جو آپ نے اقامت اور غلبہ دین کے حصول کے لیے مناسب سمجھے۔

چنانچہ سیرۃ النبی ﷺ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ غزوہ بدر سے پہلے جنگ یا حقائق اور معلومات اکٹھی کرنے (FACT FINDING & INFORMATION GATHERING MISSION) کے لیے آٹھ مہمات ہیں جو آپ ﷺ نے مختلف اطراف واکناف میں روانہ فرمائی ہیں۔اس کے بعد جنگوں کا سلسلہ تو سیرۃ النبی ﷺ کا ایک روشن باب ہی ہے۔

ایک حقیقت جو مغربی بالادستی یا اپنی کمزوریوں اور مصلحتوں کی وجہ سے تاریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار کے ساتھ صرف مدافعتی لڑائیاں لڑی ہیں اور کوئی اقدامی جنگ نہیں کی۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔اصل حقیقت یہ ہے کہ جب مدینہ میں اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اور مدینہ کے یہودیوں اور مکہ کے مشرکین کی سازشیں ناکام ہوئیں تو اب اللہ کی زمین پر اللہ کی فوج (حزب اللہ) کے ہوتے ہوئے باطل کو مزید سر اٹھا کر چلنے دینا اسلام کی روح اور دینی حمیت کے بالکل خلاف بات تھی اس لئے زمین کو باطل سے پاک کر کے حق قائم کرنے کے لیے حضور ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو تلوار اُٹھانا پڑی۔ لہٰذا یہ لڑائیاں تمام مدافعتی نہیں تھیں بلکہ ان میں اکثر وبیشتر اقدامی جنگیں تھیں جو حضور ﷺ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں لڑی گئی ہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اللہ ہی کے حکم سے باطل کو مزید رہنے کا موقع نہ دینے کا عزم کیا اور چونکہ یہ زمین اللہ کی ہے اس لئے اس پر باطل کا نظام برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا اور اس کا قلع قمع کرنا ہی دین کا تقاضا تھا۔(یہ مضمون سورۃ الحدید آیت 25 میں بتمام وکمال بیان ہوا ہے)

تاریخ اس پر گواہ ہے کہ جب بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو تفویض شدہ مشن پر نکلے ہیں تو دوسرے ملکوں میں جا کر انھوں نے جو پہلا اعلان کیا ہے وہ یہ تھا کہ ”ہم اللہ کے نبی ﷺ کے نمائندے ہیں۔ یہ زمین اللہ کی ہے اس پر حکومت بھی اللہ ہی کی ہوگی باطل کی نہیں۔اگر تو تم لوگ ایمان لاؤ گے تو ہمارے برابر ہو جاؤ گے نہیں تو یہاں قانون (Law of the land) اللہ کا بالادست ہوگا۔تم اپنے اپنے مذہب پر رہنا چاہو تو رہو ہم تمہیں بزور مسلمان نہیں بناتے (لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ) تاہم زمین پر خدائی قانون نافذ ہوگا اور تمہیں چھوٹے بن کر ہمیں جزیہ دینا ہوگا، یہ بھی منظور نہ ہو تو پھر یا تو تمہیں ملک چھوڑ کر جانا ہوگا یا ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ تلوار سے ہوگا“

یہ تاریخی حقائق ہیں جنہیں جھوٹ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ جب ان ملکوں پر اسلام کا غلبہ ہوا اور اسلام بحیثیت کل نافذ ہوا اور اس کے ثمرات عدل وقسط اور مساوات کی صورت میں ظاہر ہوگئے تو پھر وہی غیر مسلم خود بخود اسلام کی طرف راغب ہوتے چلے گئے اور جوق در جوق اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے اور اس طرح چند سالوں میں معلوم دُنیا کا بہت بڑا حصہ اسلام کے زیر نگین آیا، خلفائے راشدین کے عہد زرین کا یہ کارنامہ تاریخ انسانی کا ایک بے مثال شاہکار ہے۔

اب بھی اگر مسلمان بحیثیت اُمت تبلیغ کا اصل حق ادا کرنے کا تہیہ کر لیتے ہیں تو ان کو اسی منہاج پر یعنی حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعامل کو اپنا کر اس پر قدم بہ قدم چل کر پہلے اللہ کی دھرتی پر کسی ایک ملک میں اسلام کو کلی طور پر نافذ کرنا ہوگا۔ اس طرح جو خلافت وجود میں آئے گی اور اس کی جو شکل بنے گی وہ اسلام کی توسیع کے لیے اقدامات کرے گی۔ لہٰذا ہماری تبلیغی کاوشوں کا ہدف دیگر کے علاوہ ایک اسلامی خلافت برپا کرنا ہونا چاہیے جس طرح کہ حضور ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مل کر قائم کیا۔ اس طرح تبلیغ کا اصل منشا تب پورا ہوگا جب ہم اس کام کو نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے اخذ کردہ منہاج (Mathodology) کے مطابق انجام دیں اور یہ کہ دین کا تصور کلی طور پر ہمارے سامنے ہو نہ کہ جزوی۔

اس دور میں یہ کام اس طرح ہوسکتا ہے کہ تبلیغ امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر کے فریضہ کے ساتھ ہو۔ صرف معروفات کی بات کرنا اور منکرات سے صرف نظر کرنا دین کی رو سے معیاری کام نہیں گنا جاسکتا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ قرآن حکیم کی آیات کو ذریعہ دعوت وتبلیغ بنایا جائے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ مدعوئین پر یہ واضح کیا جائے اور بلا کسی مصلحت بتایا جائے کہ تبلیغ جو کارِ رسالت ہے اس میں تینوں ابعاد (Dimensions) یعنی عبادتِ ربّ، شہادت علی الناس اور اقامت دین کی جدوجہد شامل ہے۔ کسی جزوی کام کی تبلیغ نہ ہو بلکہ کل کے لیے جدوجہد کی جائے۔

اگر آپ منکرات کے خلاف کام کرنا چاہیں تو آپ کی راہ میں اتنی مشکلات وموانعات آجانا شروع ہوجائیں گی جن کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے اور پھر سورہ العصر میں بیان شدہ حقائق عملی طور پر سامنے آجائیں گے اور تواصی بالحق کے ساتھ تواصی بالصبر کا عملی تجربہ ہونا شروع ہوجائے گا

جو یقیناً ایک مشکل اور صبر آزما امر ہے۔

نہی عن المنکر کے ضمن میں آج مخصوص حالات کے پیشِ نظر یہ بات جاننا بہت اہم ہے کہ منکرات کو ''بالید'' یعنی طاقت کے ساتھ منع کرنا دراصل حکومت یعنی خلافت کا فرض منصبی ہے۔ عوام الناس کو یہ کام باللسان کرنا ہے یعنی منکرات کے خلاف بات کرنا، لکھنا اور لوگوں کو سمجھانا ہے کیونکہ طاقت اور ''سلطان'' حکومت وقت کو حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کا فرض یہ بن جاتا ہے کہ وہ پہلے اپنے ملک میں خلافت کا قیام عمل میں لائیں۔ اگر تو عوام خود منکرات کے خلاف طاقت استعمال کرنا شروع کریں تو اس سے خیر کی بجائے فساد برآمد ہوگا جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں۔ اسلام کسی کو بھی اس بہانے اسلحہ اُٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔ البتہ یہ تبلیغ دین کا اہم ترین حصہ ہونا چاہیے کہ منکرات کے خلاف دلیل کے ساتھ بات بھی کی جائے اور مسلمان ملک میں حقیقی خلافت کو برپا کرنے کے لیے پُرامن جدوجہد بھی کی جائے تب جا کر تبلیغ دین کا حق پورے طور پر ادا ہو سکے گا۔ یہ بات بہت بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ ہر ذمہ دار مسلمان کو اپنے دائرہ کار اور نزدیک ترین ماحول میں منکرات کے خلاف جدوجہد کر کے لوگوں کو منع کرنے کے لیے باللسان کا کام کرنا چاہیے۔ اگر تو ہم منکرات کے خلاف جہاد میں مشغول ہوں تو ہر آدمی اپنے نزدیک ماحول ہی میں یہ فریضہ بخوبی سرانجام دے سکے گا اور اسے باہر جا کر قریہ قریہ گھومنے کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔ وہ کام بہر حال اسلامی خلافت کا ہے وہ باہر فوج بھیجنا چاہتی ہے، مبلغ اور مزکی بھیجنا چاہتی ہے یا معلم اور مدرّس یہ کام اسی کا ہے۔

''خلاصۂ تراویح اور دُعاؤں کے کتابچے مفت حاصل کریں''

ماہِ رمضان المبارک کی مناسبت سے ایک کتابچہ **''ہم نے آج تراویح میں کیا پڑھا''** اُردو اور سندھی زبان میں تراویح کے دوران روزانہ پڑھے جانے والے قرآنِ کریم کے حصے کا خلاصہ مع بنیادی مسائل و دیگر معلومات اور **''قرآنی و مسنون دُعائیں''** (معہ آسان ترجمہ) مفت تقسیم کی جارہی ہیں۔ ان کتب کے حصول کے خواہشمند خواتین و حضرات عام ڈاک کیلئے کم از کم 15 روپے اور ارجنٹ میل سروس کے لئے 55 روپے کے ڈاک ٹکٹ درج ذیل پتے پر روانہ کر کے کتابچے حاصل کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر ممتاز عمر T-473، کورنگی نمبر 2 کراچی 74900 فون نمبر: 0332-8220032

نوعِ انسانی پر
رسولِ اکرم ﷺ کے احسانات

حصہ دوم

ڈاکٹر مقصود احمد (مردان)

انسان کے ذہن میں انسان کے بارے میں یہ لنگڑے اور لولے تصورات مندرجہ ذیل تھے:

(i) انسان ــــ مظاہر فطرت کے سامنے سجدہ ریز غلام:

جیسا کہ عرض کیا جا چکا اشیائے کائنات کو آلہہ کی حیثیت دینے کے بعد انسان اپنی عظمت اور آزادی سے مکمل طور پر مستعفی ہو چکا تھا اور ایک دست بستہ غلام کی حیثیت سے جمادات و نباتات کی عظمت کے عوض اپنی دولت خودی بیچ چکا تھا۔ اللہ نے تو اسے مسجودِ ملائک بنایا تھا اور خلیفہ کا مقام عطا کر کے کائنات کے معزز نگران کا اعزاز بخشا تھا مگر افسوس کہ اسے اپنے اس مقام بلند کا ادراک حاصل نہ ہو سکا اور اشیائے کائنات کی ماتحتی اور غلامی پر رضا مند ہو گیا۔ پستی اور گراوٹ کے اس سفر میں اس نے کبھی سورج کے سامنے ہاتھ جوڑ کر ڈنڈوت کی تو کبھی چاند کے سامنے ماتھا ٹیکا۔ کبھی آگ کی پوجا کی تو کبھی ستاروں کے سامنے اپنی قسمت کا رونا رویا۔ کہ بقول اقبال:

کب تک رہے محکومیٔ انجم میں مری خاک
یا میں نہیں یا گردشِ افلاک نہیں ہے

(ii) تناسخ اور آواگون کا نظریہ:

انسان نے کچھ اپنی حماقت اور کچھ بعض دوسرے ڈپلومیٹ قسم کے انسانوں کی شرارت

سے یہ سمجھا کہ اس کی اپنی کوئی آزاد حیثیت نہیں۔ یہاں دنیا میں اگر وہ بدحال و پریشان ہے اور گناہوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے تو یہ اس کے ذاتی گناہ نہیں بلکہ کسی پچھلے جنم کے کرتوت ہیں جن کی یہ سزا وہ چاروناچار بھگت رہا ہے۔ یہاں مجبوری بے بسی اور بے کسی انسان کا مقدر ہے اور ایک مجبور غلام اور بے بس کی حیثیت سے انسان حالات کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔

(iii) پیدائشی گناہ گار ہونے کا نظریہ:

انسان کو اپنے آپ سے مایوس کرنے والا تیسرا نظریہ انسان کے پیدائشی گناہ گار ہونے کا عیسائیوں کا نظریہ ہے' اس نظریہ کے مطابق انسان کے آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام و بی بی حوا علیہا السلام ہیں، ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ابتداءً ایک درخت کے قریب جانے سے منع کیا تھا مگر ان سے یہ غلطی سرزد ہوئی اور اس درخت کے قریب چلے گئے۔ بائبل میں چونکہ ان دونوں کی توبہ کا ذکر نہیں (برعکس اس کے قرآن میں ان کی غلطی کے بعد توبہ اور معافی کا ذکر ہے) اس لئے غلطی سے یہ سمجھا گیا کہ آباو اجداد سے جو گناہ سرزد ہوا اس کی معافی ان کو نہیں ملی۔ پھر چونکہ انہی آباؤ اجداد سے نسلِ انسانی آگے چلی اس لئے اب دنیا میں ہر ہر نیا بچہ اپنے ماں باپ کے گناہ کا بوجھ لئے پیدا ہوتا ہے اور پیدائشی طور پر گناہ گار ہوتا ہے۔ ہزار کوششوں کے باوجود بھی ایک انسان اس پیدائشی آلائش سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔

(iv) واسطوں اور وسیلوں کا محتاج انسان

چوتھا نظریہ جس نے انسان کی انسانی ترقی کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا اور اسے اللہ کے حضور ایک اعلیٰ وارفع مقام پانے سے قطعی طور پر مایوس کر دیا وہ یہ تصور تھا کہ انسان اللہ کا قرب اور محبت حاصل کرنے کا فطری طور پر پیاسا اور شوقین ہی سہی مگر اس منزل تک پہنچنے کے لئے اسے پیروں، پنڈتوں، پروہتوں اور پادریوں کا واسطہ اور وسیلہ اختیار کرنا پڑے گا۔ ان واسطوں کے بغیر اس کی روحانی ترقی کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ اقبال نے ان ہی واسطوں اور وسیلوں کو اللہ اور انسان کے درمیان پردہ کہہ کر پیرانِ کلیسا کی سازش کو بے نقاب کیا تھا کہ:

؎ کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اُٹھا دو

اور بزبان فارسی یہ شکوہ ان الفاظ میں دہرایا تھا کہ:

ے چار مرگ اندر پئے ایں دیر میر
سود خوار و والی و مُلّا و پیر

محمد عربی ﷺ کا کارنامہ

محمد رسول اللہ ﷺ نے انسان کی عظمت و کرامت کو اُجاگر کر کے قرآنی تعلیم کی روشنی میں انسان کو انسان کا صحیح تصور یاد دلایا۔ انہوں نے بتایا کہ انسان کو اللہ نے ظاہر و باطن کی بہترین صورت پر پیدا کیا۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا) اور قرآن میں تین مقامات پر اللہ نے ارشاد فرمایا کہ: وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (اور انسان کے اندر ہم نے اپنی روح میں سے پھونکا)۔ اسی روحانی عظمت کی بنیاد پر اس کو مسجود ملائک بننے کا شرف عظیم بخشا۔ قرآنی تعلیم سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکار ہوئی کہ انسان نہ تو مجبور محض ہے اور نہ ہی پیدائشی گناہ گار بلکہ اس کی پیدائش ایک سلیم فطرت پر ہوئی ہے۔ یہ سلیم فطرت وہ شفاخانۂ قدرت سے اپنے ساتھ لاتا ہے، مگر پروان اس وقت چڑھتی ہے جب اس فطرت کی صحیح انداز میں دیکھ بھال اور رکھوالی کی جائے۔ اس سلیم فطرت کی مثال ایک ایسے بیج کی مانند ہے کہ اگر اس کو مناسب غذا اور سازگار ماحول مل جائے تو وہ ترقی کر کے ایک شاندار اور سرسبز و شاداب پودے کی شکل اختیار کر لیتا ہے لیکن اگر اس کی رکھوالی نہ کی جائے اور مناسب دیکھ بھال سے محروم رہ جائے تو یہ گل سڑ کر خاک میں مل جاتا ہے۔ اسی پاک اور سلیم فطرت کی دیکھ بھال اور رکھوالی کا نام عمل صالح ہے۔ انسان گو کہ مٹی سے بنا ہوا ہے اور مٹی ہی میں اس کا گزر اوقات ہو رہا ہے مگر اپنی روحانی حقیقت کی وجہ سے اللہ کی جانب مائل بہ پرواز اور مصروفِ تگ و تاز رہتا ہے اس کی اس روحانی پرواز میں سب سے بڑی رُکاوٹ یہ مٹی کا تن بدن اور سفلی و حیوانی لذات و خواہشات ہیں اور یہی رُکاوٹ پاؤں کی بیڑی بن کر انسان کو خاک سے اٹھنے اور روحانی طور پر بلند ہونے کا موقع نہیں دیتی۔ دوسرے لفظوں میں یہی رُکاوٹ ایک بڑی کمی اور کوتاہی بن کر قربِ خداوندی کی راہ میں انسان کے لئے راستے کا پتھر بنتی ہے۔ ہر وہ عمل جو انسان کی روحانی پرواز میں حائل اس رُکاوٹ کا قلع قمع کر کے انسان کی اس کمی کو دور کر دے عمل صالح کہلاتا ہے۔

کہ بقول اقبال:

افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبرئیل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

3۔ دین و دنیا کا صحیح تصور

رسولِ اکرم ﷺ کی آمد سے پہلے انسانی ذہن نے زندگی کو دو الگ الگ خانوں میں بانٹ دیا تھا ایک دینی و روحانی زندگی اور دوسری مادّی اور دنیوی زندگی۔ پھر ان دونوں خانوں کے تقاضے بالکل الگ الگ اور متضاد تھے جو فرد دینی و روحانی زندگی کا حامل ہوتا تھا اس کا رویہ ہمیشہ صبر، بے بسی، بے کسی، مظلومیّت، تجرّد اور دنیا کے عیش و آرام سے دوری و بیزاری ہوتا تھا اور جو دنیوی زندگی کا ماہر تھا وہ اخلاق و روحانیت کی ہر قید سے آزاد اور ہر قسم کے ظلم و دست درازی میں شیر و دلیر ہوتا تھا۔ دنیا دار اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے دھکے، دھونس اور دھاندلی کا ماہر اور چھینا جھپٹی میں ہر وقت هَلْ مِنْ مَّزِيْد کے نشہ و خمار میں مخمور رہتا۔ دیندار اور روحانیت کا علمبردار دنیاداروں کے ہر قسم کے ظلم اور چیرہ دستی سے آنکھ بند کر کے اپنے حال میں مست اور حق ہو اور اللہ ہو کے وِرد میں مستغرق رہتا کہ بقول اقبال

بدن را تا فرنگ از جاں جدا دید — نگاہش ملک و دیں را ہم دو تا دید
کلیسا سبحۂ پطرس شمارد — کہ او با حاکمی کارے نہ دارد
بہ کارِ حاکمی مکر و فنے بیں — تن بے جان جان بے تنے بیں

ترجمانی:۔ اہل یورپ نے جان اور بدن میں تفریق پیدا کی اسی طرح دین اور سیاست کو بھی الگ الگ کر دیا۔ گرجے (کلیسا) نے (حضرت عیسیٰ کے حواری) پطرس کے راہبانہ خیالات کی تسبیح پڑھنی شروع کی کہ اسے سیاست اور حکمرانی سے کوئی سروکار نہیں اسی راہبانہ سوچ کا منفی نتیجہ یہ نکلا کہ سیاست میں دجل و فریب اور لوٹ کھسوٹ کا دور دورہ ہو گیا اور جس طرح جسم اور جان کی ایک دوسرے سے

علیحدگی سے دونوں بے مقصد ہو جاتے ہیں اسی طرح دین و سیاست کی جدائی سے دونوں کا اصل مقصد فوت ہو گیا۔

محمد عربی ﷺ کا نوعِ انسانی پر تیسرا بڑا احسان یہ ہے کہ اُنھوں نے دین و دنیا کی دوئی کا یہ تصور ختم کر دیا۔ اس نئے تصورِ وحدت کی رو سے اب نیکی، پارسائی اور خداترسی صرف غاروں اور کونوں کھدروں کی زینت نہ رہی بلکہ اقتدار کے ایوانوں میں بھی داخل ہوگئی۔ دنیاداروں سے ہر اخلاقی قید و بند سے آزادی کا پروانہ چھین لیا گیا اور ظالم اب بے نتھے کے بیلوں کی طرح بے لگام نہیں رہے، دینداری اور روحانیت اب صرف مسجد و معبد میں مقید نہیں رہی بلکہ خدائی حاکمیّت اور انسانی خلافت کی شکل میں سیاست میں بھی نفوذ کر گئی۔ معیشت میں ملکیت کے بجائے امانت و دیانت کی روح داخل ہوگئی اور معاشرت میں عفت و عصمت اور مساوات کے الٰہی اور قرآنی اُصول جاری و ساری ہو گئے۔ الغرض زندگی کے ہر گوشہ پر اللہ کی بندگی اور حاکمیّت کا نقش قائم ہوگیا مدنیت و اجتماعیت میں خونخوار بادشاہوں کی جگہ خداپرست درویش براجمان ہوئے۔ ظلم کی جگہ عدل کی بے لاگ حکمرانی قائم ہوگئی اور انسانی خون چوسنے والے پیراسائٹس (PARASITES) کی جگہ انسانوں کے حقیقی خادم اور ہمدرد و غم گسار لیڈر اور رہنما بن گئے۔ القصہ مختصر، بادشاہوں اور شہنشاہوں کے مکروفن کے برعکس قرآنی اخلاق و روحانیت کے اُصولوں پر مبنی ایک نیا نظامِ حکومت و سلطنت وجود میں آ گیا اور خدا کی وہ سلطنت جو آسمانوں میں قائم تھی اب محمد ﷺ کے ہاتھوں قرآنی سیاست قرآنی معیشت اور قرآنی معاشرت کی شکل میں انسانی دنیا میں بھی قائم ہوگئی۔ دین و دنیا کی جدائی کا یہ نوحہ اقبال ان الفاظ میں کرتا ہے

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی — سماتی کہاں اس فقیری میں میری
خصومت تھی سلطانی و راہبی میں — کہ وہ سربلندی ہے یہ سربزیری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا — چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری
ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی — ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری!
دوئی ملک و دیں کے لیے نامرادی — دوئی چشم تہذیب کی نابصیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا — بشیری ہے آئینہ دار نذیری

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی وارد شیری!

4۔ زندگی کا صحیح تصور

گہرے کنویں میں رہنے والے مینڈک کو چشم تصور میں لایئے جس کی کل کائنات اور ساری حدودِ اربعہ بس یہی کنویں کی گولائی ہے۔ اگر اس مینڈک سے کوئی پوچھے تمھیں پتہ ہے کہ اس کنویں سے باہر ایک وسیع وعریض دنیا ہے، سڑکیں اور شاہراہیں ہیں، پہاڑ اور دریا ہیں اور جنگل اور صحراء ہیں تو مینڈک کو ان باتوں اور ان اشیاء کے وجود کا ہرگز یقین نہیں آئے گا۔ کیونکہ وہ کنویں کی تنگ و تاریک دنیا سے اوپر اُٹھ کر باقی دنیا کی وسعت اور بیکرانی کو دیکھنے کا موقع نہیں پا سکا ہے۔ اب کنویں کی جگہ اس دنیا کی زندگی کو رکھ لیجیے اور مینڈک کی جگہ انسان کو تصور میں لایئے تو پتہ چلے گا کہ انسان کے ساتھ بھی نظر کی کوتاہی اور نگاہ کی محدودیت کا وہی حادثۂ فاجعہ رونما ہو چکا ہے، انسان کے اوپر تنا ہوا آسمان، اس کے پیروں کے نیچے بچھی ہوئی وسیع وعریض زمین اور ارد گرد درختوں اور پہاڑوں کی فراوانی ـــــــ ان حدود کے اندر محدود انسان سے اگر پوچھا جائے کہ تمھیں پتہ ہے کہ اس مادّی آسمان سے اوپر ایک اور روحانی اور مابعد الطبیعی دنیا ہے اور اس ساٹھ ستر سال کی زندگی کے بعد ایک طویل اور ابدی زندگی کا منظر نامہ ہے تو انسان اپنے حواسِ خمسہ کی بنیاد پر ہرگز اس بات کا یقین نہیں کرے گا، کیونکہ اس نے کنویں کے مینڈک کی طرح اپنی محدود دنیا سے نکل کر باہر جھانکا ہی نہیں۔

رسولِ عربی ﷺ کی آمد سے پہلے انسان اسی طرح اپنے محدود ذرائع علم کی بنیاد پر ایک محدود اور تنگ و تاریک دنیا کا زندانی تھا اور نہیں جانتا تھا کہ اس کی حدِ نگاہ سے آگے بھی کچھ ہے۔

محمد عربی ﷺ کا چوتھا بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے انسان کے ہاتھوں میں وہ قرآنی اور ایمانی ٹارچ دے دی جس سے انسانی سفر کے تمام خدوخال اور انسانی زندگی کے تمام غیر مرئی گوشے دفعتاً روشنی میں آ گئے۔ آپ ﷺ نے بتایا کہ انسان کا یہ سفر زندگی ایک ایسی گتھی ہے جو تنہا عقل وخرد کی مدد سے سلجھائی نہیں جاسکتی۔ اس کی حقیقت سمجھنے کے لیے صرف سر کی آنکھ کافی نہیں بلکہ دل کی نگاہ درکار ہے اور یہ معنوی تاریکی کسی مادّی روشنی سے نہیں ایمان وروحانیت کی روشنی اور

لا اِلٰہ اِلا اللہ کے نور سے چھوٹ سکتی ہے کہ بقول اقبال ؎

خرد دیکھے اگر دل کی نگاہ سے — جہاں روشن ہے نورِ لا اِلٰہ سے

فقط اِک حلقۂ شام و سحر ہے — اگر دیکھے فروغِ مہر و ماہ سے

بتایا کہ یہ زندگی تو محض ایک درمیانی اور امتحانی وقفہ ہے۔ یعنی ع آگے چلیں گے دم لے کر اس کے بعد ایک عظیم عدالت قائم ہونی اور ایک کڑا احتساب ہونے والا ہے۔ یہاں ہر ہر انسان کی نگرانی کے لیے ایک خفیہ آنکھ اور ایک اَن دیکھا کیمرہ نصب ہے جس کے ذریعے اس کا اعمال نامہ تیار ہو رہا ہے۔ یہاں انسان کے دماغ میں لاتعداد خیالات اُٹھتے اس کی زبان سے بے شمار اقوال نکلتے اور اس کے اعضاء و جوارح سے اَن گنت اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ ان بے شمار خیالات، اقوال اور افعال میں سے کوئی چیز اس خفیہ خدائی آنکھ سے چھوٹتی نہیں یہی وہ ریکارڈ ہے جس کی بنیاد پر انسان کا ابدی گھر تعمیر ہونا ہے یہاں کی عارضی زندگی تو ختم ہو جائے گی خواہ وہ زحمت وکلفت کی زندگی ہو یا عیش وعشرت کی۔ مگر وہ ابدی اُخروی زندگی کبھی ختم ہونے والی نہیں پس اصل عامل وفرزانہ وہ شخص ہے جو اپنی ابدی زندگی کے عیش کے لیے یہاں کی عشرت اور آرام کو تج دے اور اللہ کی محبت میں دیوانگی کا مقام پالے کہ بقولِ عارف رومی ؎

آں کہ او بیدار تر پر درد تر — آں کہ او آگاہ تر رخ زرد تر

(یعنی وہ شخص جو اس دوسری زندگی (آخرت) کا شناسا ہو گیا تو اس کے وجود میں خوف کا ایک درد اُٹھ گیا اور جس شخص کو یہی آگاہی حاصل ہوئی تو اس کا چہرہ زرد پڑ گیا)۔ (ختم شد)

اور (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

آنے والے دور میں عالمی سیاست کا مرکز

اصفہان

انجینئر مختار فاروقی

یہ تحریر فروری 2010ء کے حکمت بالغہ سے ہم قارئین کی دلچسپی کے لئے معمولی حک واضافہ کے ساتھ دوبارہ شائع کررہے ہیں۔ان چار سالوں میں کئی دھندلے نقوش مزید واضح ہوچکے ہیں تاہم اس مضمون کے مندرجات اپنی جگہ اہم ہیں جو مستقبل میں آنے والے کئی واقعات کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔(ادارہ)

عالمی حالات ہمہ وقت تغیر پذیر رہتے ہیں، انسان اس دنیا میں آنکھ کھولتا ہے زندگی کے لمحات گزارتا ہے اور رخصت ہوجاتا ہے۔ انسانوں سے خاندان، قبائل، معاشرے، شہر اور ملک بنتے ہیں اس کے بعد قوموں اور تہذیبوں کا درجہ آتا ہے۔انسانی زندگی پچاس ساٹھ سال ہوتی ہے جبکہ تہذیبوں کی زندگی پانچ چھ صدیاں ہوتی ہے۔ ماضی میں ہزاروں تہذیبیں اُٹھیں، عروج کو پہنچیں، غرور و تکبر اور ظلم پر اُتر آئیں اور پیوند خاک ہوگئیں، ایک تبصرے کے مطابق دنیا تہذیبوں کا قبرستان ہے۔تاہم مشرق وسطی اور اس کے آس پاس کے ممالک کئی لحاظ سے بہت اہمیت کے حامل ہیں اور طویل انسانی تاریخ رکھتے ہیں۔اسلام سے پہلے بھی ایران کی حیثیت بہت نمایاں تھی اور روم کے مقابلے میں عالمی طاقت تھی اسلام کی آمد کے ساتھ ایران کی اہمیت اور بڑھ گئی اور اسلامی تاریخ میں بھی ایران کی حیثیت بڑی نمایاں رہی ہے۔

گزشتہ پانچ چھ صدیوں سے مغرب کی بالادستی کے باعث یورپ اور اب امریکہ عالمی

سیاست پر چھائے ہوئے ہیں اور لندن ،امریکہ اور پیرس میں بیٹھے دماغ ساری دنیا کو کنٹرول کر رہے ہیں اور اسلام کے دور کے اہم شہر اپنی اہمیت کھو بیٹھے ہیں۔کوفہ و بغداد قصہ ماضی بن چکے ہیں۔دورحاضر میں اب قوت کے نئے مراکز وجود میں آرہے ہیں۔

علامہ اقبال گزشتہ صدی کے آغاز میں تعلیم کے لئے یورپ گئے تھے اور 1907ء میں واپسی ہوئی۔انہوں نے برطانیہ اور جرمنی میں وقت گذارا اور یورپی تہذیب کو قریب سے دیکھا اور اپنے ذہن رسا کے ذریعے یورپ کی تیز رفتار ترقی کی حقیقت اور اس کے پس پردہ کارفرما نظریات وافکار کو سمجھ لیا۔تعلیمی ضروریات کی وجہ سے انہیں خاص طور پر ایران کی تاریخ پڑھنے کا موقع ملا اور اس طرح ماضی اور حال کے تقابل سے اسلامی نقطہ نظر سے حالات کا تجزیہ کرنے کا ایسا سلیقہ ہاتھ آیا جس کا لوہا آج بھی دنیا مانتی ہے۔انہوں نے ایک موقع پر فرمایا تھا۔

طہران ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے!

برٹرینڈرسل برطانیہ کا مشہور فلسفی ادیب اور تجزیہ نگار گزرا ہے اس نے (RE-AWAKENING OF EAST) میں لکھا ہے کہ تاریخ میں قوموں کا عروج و زوال مشرق ومغرب میں باری باری یکے بعد دیگرے سامنے آتا رہا ہے اور یوں کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ مشرق ومغرب کے مابین جھولا جھولتی رہی ہے آج سے ستر برس قبل اُس نے لکھا تھا کہ مغرب کے موجودہ عروج کے بعد زوال تو لازمی ہے اب دوبارہ مشرق کی باری ہے اور اہل علم دیکھ رہے ہیں کہ اگرچہ وسائل اور زندگیوں کی آسائشوں کے ساتھ طاقت کا توازن ابھی یورپ اور امریکہ کے پاس ہے تاہم مستقبل کے مراکز امارات اور خلیج فارس سے لے کر بحیرۂ روم تک منتقل ہورہے ہیں اور مشرقِ وسطی عالمی سطح پر نگاہوں کے سامنے آگیا ہے۔عراق اور افغانستان میں امریکی مداخلت بھی آنے والے دور میں اس خطہ کی اہمیت کے پیش نظر ہے اور اسی مداخلت اور جارحیت کے تحت مستقبل کے دھندلے نقوش واضح ہونا شروع ہورہے ہیں۔

اس تناظر میں ''مشرق وسطیٰ''میں برادر ملک ایران کی اہمیت نمایاں ہے اور گزشتہ انقلاب کے بعد اس نے عالمی سیاست میں اپنی حیثیت کو منوایا ہے۔حالیہ امریکی صلیبی یلغار کے

بعد ایران نے جس طرح امریکی دباؤ اور اقوام متحدہ کی پابندیوں کی دھمکیوں کا منہ توڑ جواب دیا ہے وہ اقوام عالم اور بالخصوص دیگر مسلمان ممالک کے لئے حیران کن ہے۔ پاکستان کی طرح ایران کے ایٹمی ہتھیاروں کے بارے میں مغرب کی منافقانہ پالیسی، بلاوجہ سفارتی دباؤ اور بلا جواز عالمی پروپیگنڈا ایران کے استقلال میں کوئی لغزش پیدا نہیں کر سکا۔ اور تا حال کسی دھمکی سے بھی ایران کو جھکا لینے کا امکان نظر نہیں آ رہا۔ (کل کیا ہوگا یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔)''

دارالحکومت تہران کے بعد ایران کا ایک اہم شہر اصفہان ہے جو تاریخی ثقافتی اور مذہبی لحاظ سے بڑا اہم شہر ہے۔ گزشتہ چند سالوں کے دوران کچھ ایک ایسے نکات سامنے آ گئے ہیں جو او پر درج پس منظر میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ قارئین حکمت بالغہ تک بھی یہ حقائق پہنچا دیئے جائیں تا کہ انہیں بھی آئندہ حالات کو سمجھنے اور تجزیہ کرنے میں آسانی رہے۔

جغرافیائی لحاظ سے اصفہان ـــــــ موجودہ ملک ایران کا ایک وسطی صوبہ ہے تقریباً 52 درجے طول بلد اور 32 درجے عرض بلد پر واقع ہے۔ اصفہان شہر کی تاریخ تقریباً 2500 سال پرانی ہے اور ثقافتی لحاظ سے بڑا مرکز ہے مساجد اور مدارس کی خوبصورتی کے علاوہ عمومی فن تعمیر میں دنیا کے چند ممتاز شہروں میں سے ایک ہے۔ یہاں کے قالین اور فن تعمیر میں رنگدار روغنی ٹائلیں بہت مشہور ہیں۔ فن تعمیر کے نادر نمونے اس صوبے میں پھیلے ہوئے ہیں نقش جہاں اسکوئر (عام طور پر جسے امام اسکوئر بھی کہتے ہیں) اہم عمارات اور تجارتی مراکز کے درمیان شاہراہوں سے گھرا ہوا ایک وسیع اسکوئر ہے جو غالباً آج بھی دنیا بھر کے مشہور شہروں میں واقع اسکوئروں میں سب سے بڑا ہے۔

مذہبی لحاظ سے بھی یہ شہر بہت اہمیت کا حامل ہے سولہویں صدی میں جب صفوی خاندان کی حکومت بنی اور اس میں استحکام آیا تو اس خاندان کے مشہور بادشاہ اسماعیل صفوی نے اصفہان کو پایۂ تخت قرار دیا اور یوں اس شہر کی ترقی ہوئی، یہاں سے قریب ہی شیعہ مسلک کی قدیم درسگاہیں اور مراکز ہیں، قم 150 کلومیٹر پر ہے ذرا فاصلے پر خمین ہے جہاں مشہور علمی درسگاہیں ہیں۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے مؤلف جناب سیّد قاسم محمود صاحب اصفہان کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

''وسطی ایران کا ایک شہر، جو اپنی حسین مسجدوں کی وجہ سے مشہور ہے ایک زمانے میں

صفویوں کا دارالحکومت تھا۔ اسے بابل کے حکمران نبوکدنضر نے یہودیوں کو بسانے کے لئے آباد کیا تھا۔ مسلمانوں نے اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں 19ھ/640ء میں فتح کیا تھا۔ طبری کے نزدیک فتح کا سال 21ھ/642ء ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نہاوند کے بعد اصفہان کو فتح کیا۔ المعتز کے عہد میں ایک بغاوت کے بعد 247ھ/861ء میں اسے دوبارہ فتح کیا گیا۔ اس بار شہریوں کی ایک کثیر تعداد قتل ہوئی۔ اس وقت وہاں ایک قلعہ نما عمارت موجود تھی نیز شہر کے گرد فصیل تھی، جس میں چار دروازے اور ایک سو منارے تھے۔ شہر کے قرب وجوار میں چاندی، تانبے، جست اور سرمے کی کانیں تھیں۔

301ھ/913ء میں یہ شہر سامانیوں کے قبضے میں آیا۔ 421ھ/1030ء میں غزنویوں کی قلمرو میں شامل ہوا۔ مغلوں کے حملے کے دوران میں شاہ خوارزم سلطان جلال الدین منگو کے زیرکمان اس شہر کی دیواروں تلے ایک بہت بڑی جنگ لڑی گئی۔ بعد میں یہ شہر مغلیہ سلطنت کا حصہ بن گیا۔ تیمور نے یہاں ستر ہزار شہریوں کا قتل عام کیا۔ اس کے بعد کئی حکمرانوں نے یہاں کے باشندوں کا قتل عام جاری رکھا۔ نادر شاہ کے عہد میں (1141ھ/1829ء) کہیں جا کر یہاں امن ہوا، 1914ء سے 1918ء تک یہ شہر عالمی طاقتوں کی آویزش کا مرکز رہا۔ 1917ء میں اس پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

تاریخ میں اس شہر کو پہلی بار کسی حکومت کا مرکزی شہر بننے کا شرف عباس اول (1586ء تا 1628ء) کے عہد میں حاصل ہوا۔ اس نے ایک خوب صورت شہر بنا دیا۔ اس نے دریائے زندہ رود پر تین خوبصورت پل تعمیر کرائے۔ نیز ایک عالیشان مسجد بھی تعمیر کرائی۔ شاہ صفی اول نے اس پر چاندی کے پترے چڑھوائے۔ بعد میں کئی حکمرانوں نے یہاں خوب صورت عمارات تعمیر کرائیں۔ جن میں گھنٹہ گھر، شاہی محلات، کاروان سرائے، منار خواجہ عالم، قلعہ تبرک، مدرسہ نادر شاہ، شیخ لطف اللہ کی مسجد، عالی قاپو (سات منزلہ عمارت)، میدان شاہ اور چہار باغ قابل ذکر مقامات ہیں۔

بیسویں صدی کا اصفہان ایک صنعتی شہر کی حیثیت رکھتا ہے۔ رضا شاہ پہلوی کے عہد (1925ء تا 1941ء) میں یہاں صنعتی علاقہ تعمیر کیا گیا۔ یہاں کپڑے کے بے شمار کارخانے قائم ہیں۔ نیز دھات کا بہترین کام ہوتا ہے۔ جس میں چاندی، تانبے اور جست کی صنعتیں قابل ذکر ہیں۔ 1998ء میں آبادی آٹھ لاکھ سے زیادہ تھی۔''

اصفہان ـــــ ایک نادر روزگار شہر اور ثقافتی و مذہبی اہمیت کا حامل صوبہ مستقبل میں عالمی حیثیت اختیار کرنے والا ہے مستقبل سے مراد صرف چند سال بھی ہو سکتے ہیں اور چند عشرے بھی (واللہ اعلم بالصواب) اصفہان کے بارے میں تین مختلف زاویوں یا نقطہ ہائے نگاہ سے اہمیت کے تین پہلو حسب ذیل ہیں۔

بنی اسرائیل یعنی یہود یا صیہونیت کے نقطہ نظر سے

بنی اسرائیل کی تاریخ چار ہزار سال کا پھیلاؤ رکھتی ہے اور اس کو سمجھنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے واقعات ملا کر دیکھنا ضروری ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق ملک میں تھے جہاں آج سے 4100 سال پہلے نمرود بادشاہ حکمران تھے جو بدترین شرک میں مبتلا تھے۔ اور بت پرستی کا نظام تھا بادشاہ خود بھی خدائی کے دعویدار ہوتے تھے۔

تاریخ انبیاء کے بارے میں قرآن مجید کا بیان یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبری اور کتاب رکھ دی تھی گویا حضرت نوح علیہ السلام کے بعد صرف ان کی اولاد ہی میں نبوت اور رسالت کا سلسلہ جاری ہوا یعنی بعد کی نسل انسانی صرف انہیں کی اولاد پر مشتمل ہے اور دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو پیغمبری اور وحی کے لئے منتخب فرما کر اٹھایا تا کہ ایک حزب اللہ بن سکے اس لئے کہ انسانیت اب طفولیت سے نکل کر بلوغ (MATURITY) میں قدم رکھ رہی تھی اور انسانی ہدایت کے باب میں معاملہ ختم نبوت کی طرف جانا تھا جس کے نتیجے میں ختم نبوت کے بعد ہدایت و رہنمائی کے معاملات آخری آسمانی وحی کی روشنی میں اُمت مسلمہ کے ہاتھوں میں آنے تھے اور دوسری طرف ختم نبوت کے نتیجے میں آسمانی مدد کا پہلو بھی انبیاء کرام کے مقابلے میں قدرے ہلکا ہونا فطری بات تھی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جہاد کے باب کو کھولا اور معجزات یعنی

(DIVINE INTERVENTION) کا پہلو بھی اب ''کرامات'' تک آ گیا۔ مسلم امت کے دنیا میں غلبہ کا انحصار انسانی جدوجہد یعنی جہاد و قتال پر ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں آباد کیا گیا جہاں چاہ زمزم جاری ہوا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا واقعہ پیش آیا۔ پھر بیت اللہ کی تعمیر اور آباد کاری کا مرحلہ آیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کو فلسطین (یروشلم) میں آباد کیا تھا اُن کے بیٹے یعقوب علیہ السلام اور پوتے حضرت یوسف علیہ السلام تھے حضرت یوسف علیہ السلام کے دس بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا جہاں سے وہ مصر پہنچے اور بالآخر مصر کے حاکم بن گئے۔ برادرانِ یوسف کی بے وفائی سے ہی ایک طبقہ پیدا ہوا جو انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے بُعد اختیار کرتا چلا گیا مصر میں ہی 1300 ق م میں حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے انہوں نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی فرعون کی غلامی کے دور میں ہی اہرام مصر کی تعمیر کے دوران بنی اسرائیل میں ایک طبقہ پیدا ہوا جو اللہ اور اس کے رسولوں کا باغی بن گیا اور یہ طبقہ FREE MASONS کے نام سے مشہور ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی میں بنی اسرائیل کو آزادی ملی تاہم سامری کی شخصیت سامنے آ گئی پھر بنی اسرائیل نے جہاد سے انکار کر دیا صحرائے سینا میں چالیس سال کی سزا پائی پھر جہاد پر راغب ہوئے تو سلطنت ملی جو کئی مرحلوں سے گزر کر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت کے دور میں عروج کو پہنچی پھر بنی اسرائیل میں جادو کا زور ہوا ہاروت و ماروت کا واقعہ قرآن مجید میں ہے یہیں سے یہود کے باغی گروہ نے قبالہ نام سے علم ایجاد کیا یعنی علم الاعداد اب تورات کی عبارت نہیں پڑھی جاتی تھی۔ بلکہ تورات کے الفاظ کے (خودساختہ) اعداد پر آیات کا ایک ''نمبر'' عدد بنا لیا جاتا تھا جس سے اس آیت کی برکت حاصل کی جاتی تھی (جیسے ہمارے ہاں 786 لکھ کر بسم اللہ شریف مراد لی جاتی ہے)۔

چھٹی صدی ق م میں یہود پر زوال آیا اور انہوں نے قتل انبیاء جیسا جرم شروع کر دیا حق کے انکار کا آخری درجہ کہ حق بات کہنے والے کا نام ونشان ہی مٹا دو تا کہ کوئی حق کا علمبردار سامنے نہ ہو اور باغی لوگ من مانی کرتے رہیں اس پر عراق کے بادشاہ نمرود بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا اور تورات کے بیان کے مطابق بیت المقدس میں چھ لاکھ بنی اسرائیل قتل کر دیے اور چھ لاکھ کو

بھیڑ بکریوں کی طرح قیدی بنا کر عراق لے جایا گیا حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعمیر کردہ عبادت گاہ ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا گیا قرآن پاک میں اس واقعہ کو بنی اسرائیل کے فسق و فجور اور اللہ کی نافرمانی کے ساتھ قتل انبیاء علیہم السلام کی سزا کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ چھ لاکھ یہودیوں کو نمرود بادشاہ بخت نصر نے کئی جگہ پر آباد کیا تھا۔ بنی اسرائیل کی یہ قید 150 سال پر محیط تھی جس میں کئی نسلیں بیت گئیں۔

سیّد قاسم محمود صاحب مؤلف اسلامی انسائیکلو پیڈیا نے اصفہان کی پہلی آبادکاری کے ضمن میں یہود کی اس قید کے زمانے کا ذکر کیا ہے۔ بعد ازاں ایران کے مسلمان بادشاہ کیخورس یا سائرس یا ذوالقرنین نے عراق فتح کیا تو یہود کو آزادی دلائی اور ان کو بیت المقدس میں دوبارہ آباد ہونے میں مدد بھی دی۔ اب یہود میں دینی جذبات تازہ تھے انہیں دوبارہ حکومت بنانے کا موقع ملا مکابی سلطنت کے نام سے سلطنت بنی بیت المقدس کی تعمیر ثانی ہوئی مگر جلد ہی یہ حکومت زوال سے دوچار ہوگئی بنی اسرائیل کے باغی طبقات جو اب قتل انبیاء جیسے جرائم کی وجہ سے حزب الشیاطین کا درجہ حاصل کر چکے تھے سر برآوردہ لوگ تھے لہٰذا سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے غلامی و محکومی سے دوچار کر دیا اور پورے فلسطین کے علاقے پر رومیوں کا قبضہ ہو گیا اس دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے یہود کے علماء و احبار نے ان کی بات نہ سنی بلکہ اپنی بگڑی ہوئی افتادِ طبع کے زیر اثر برنباس کی انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رومیوں کے ذریعے صلیب پر لٹکانے کا اہتمام کر دیا قتل انبیاء کے بعد ''رسول'' کے انکار کے اس ''جرم'' کے نتیجے میں بنی اسرائیل (صیہونی یا فری میسنوں) پر زوال آ گیا ٹائٹس رومی نے یروشلم میں 70ء میں حملہ کیا اور دوسری مرتبہ بیت المقدس گرا دیا گیا۔ یہود کو دیس نکالا دیا اور اس طرح یہود اپنے جرائم اور قتل انبیاء کی وجہ سے عذاب الٰہی کا شکار ہو گئے ہدایت سے محروم ہو کر یہود فلسطین سے بے گھر ہو کر پوری دنیا میں منتشر ہو گئے۔ یہود کا یہ دور انتشار کا دور (DIASPORRA کہلاتا ہے۔ 70ء میں فلسطین سے نکل کر یہودی پوری دنیا میں پھیل گئے۔ مدینہ میں بھی اس دور میں آکر یہود آباد ہوئے اصفہان میں بھی (سابقہ تعلق کی بنیاد پر) یہود کی پہلی آبادی غالباً 204ء کی ہے۔ یہ طویل ''جملہ معترضہ'' اصفہان اور یہود کے باہمی تعلق کے اظہار کے لئے ضروری تھا ضمنی طور پر یہ بات بھی بنی اسرائیل کے بارے میں سامنے رہے تو آگے کا استدلال زیادہ آسانی سے سمجھ میں آ جائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر یہود نے من حیث المجموع ان کا صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ ان کو ستایا بھی اور فتویٰ دے کر واجب القتل قرار دیا اور سولی (EXECUTION) کی سزا کے اجراء کے لئے رومی گورنر کے حوالے کر دیا وہ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچا لیا اور قرآن مجید کے بیان وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ، کے مطابق کوئی اور شخص ان کی جگہ سولی پر چڑھا دیا گیا۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ اس واقعہ کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ تورات اور سابقہ انبیاء کی بشارتوں کے مطابق بنی اسرائیل (یہود) کے نزدیک اصلی عیسیٰ علیہ السلام ابھی آنے ہیں اور یہود ان کے منتظر ہیں (جبکہ مسلمانوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُٹھا لئے گئے تھے وہ ابھی زندہ ہیں اور وہ دوبارہ تشریف لائیں گے)

یہود کے نزدیک ان کی مذہبی پیشگوئیوں کے مطابق ابھی ''عیسیٰ'' نامی پیغمبر آنے والے ہیں ان کے بارے میں ان کا اپنا ایک ذہن ہے وہ کہاں آئیں گے اس کے بارے میں ہم مسلمانوں کو معلومات کی حد تک تحقیق و جستجو تو ہوسکتی ہے اور یہ بات فطری ہے کہ پھر حق و باطل کا کوئی معرکہ گرم ہونے والا ہے۔ تاہم اس بارے میں ایک واضح اشارہ چند ماہ پہلے ہی سامنے آیا ہے جس کا تعلق اصفہان سے ہے اور جس کے راوی بھی ایک معتبر شخص ہیں اور زندہ ہیں۔

جناب اوریا مقبول جان ایک معروف صحافی اور لکھنے والے ہیں ان کا یہ کالم روزنامہ ایکسپریس میں چھپا ہے جسے بعد میں ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور نے اپنے شمارے نمبر 27 جولائی 2009ء میں بطور ''کالم آف دی ویک'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ ہم ندائے خلافت کے حوالے سے اقتباس یہاں درج کر رہے ہیں۔ یہود کے بارے میں اوپر درج تمہیدی باتیں ذرا ذہن میں تازہ کر کے، سابقہ صدی میں اسرائیل کے فلسطین پر غاصبانہ قبضے کے پس منظر میں اس حوالہ پر غور کیجئے موصوف لکھتے ہیں۔

''اسرائیل کے بننے سے پہلے ایران میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ یہودی آباد تھے لیکن وہ اسرائیل کی آبادی کے لئے وہاں چلے گئے مگر انہوں نے ایک شہر کو نہیں چھوڑا اور وہ شہر تھا اصفہان۔ اس وقت وہاں تیس سے پینتیس ہزار یہودی آباد ہیں اور ان کی ایرانی پارلیمنٹ میں ایک نشست ہے اس وقت سیاماک موراس رنگ یہودیوں کی

پارلیمنٹ میں نمائندگی کرتا ہے۔تہران میں گیارہ یہودی عبادت خانے اور تین یہودی سکول ہیں۔ان کا اپنا اخبار دفاع بنا نکلتا ہے ان کی ایک مرکزی لائبریری ہے اور ایران کا سب سے بڑا خیراتی ہسپتال ڈاکٹر سپئیر یہودی ہسپتال ہے یہ ہسپتال اگرچہ یہودی خیرات سے چلتا ہے لیکن اس کے اکثر مریض مسلمان ہوتے ہیں ان کے نزدیک حضرت دانیال علیہ السلام کا مزار بھی یہاں ہے اور اس مزار پر ایک سبز چادر پڑی ہوتی ہے جس پر وہی ستارہ ہے جو اسرائیل کے پرچم پر ہے جسے حضرت داؤد علیہ السلام کا ستارہ کہا جاتا ہے اس کے علاوہ اور بہت سے ان کے مزارات ہیں جن پر یہ ایرانی یہودی مستقل حاضری دیتے رہتے ہیں۔

مئی 2008ء میں چاہ بہار میں ایک کانفرنس میں شرکت کے بعد جب میں تہران کے ہوٹل میں آیا تو مجھے وہاں آسٹریا کا ایک یہودی ربی (یعنی ان کا مولوی) ملا جو اپنے مخصوص لباس میں ملبوس تھا۔میں نے پوچھا تم یہاں کس لئے آئے ہو؟ کہنے لگا، میں بین المذاہب کانفرنس میں آیا ہوں میں نے پوچھا، یہاں یہ کانفرنس کیوں؟ اس نے کہا کہ ہماری کتب کے مطابق ہمارا مسیح یہاں سے خروج کرے گا اور ہمیں یروشلم واپس دلائے گا۔''

اور یہ بات اب عام ہے کہ قرآن مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اہل سنت کے عقائد کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کا بھی وقت قریب ہے اور مغرب میں بھی اس موضوع پر مسلسل کتابیں چھپ رہی ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام آیا چاہتے ہیں اور بنی اسرائیل یہود کے اعتقادات کے مطابق ان کے ''مسیح'' کی آمد کا وقت بھی قریب ہے جو اصفہان سے ظاہر ہوگا۔لہٰذا ـــــ مستقبل قریب میں اصفہان کی عالمی اہمیت اور سیاست کا محور و مرکز قرار پانا لازمی و لابدی ہے۔

اصفہان ـــــ قرآن وحدیث کی روشنی میں اہل سنت کے نزدیک

مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور آج بھی اپنے اصل متن کے ساتھ موجود ہے۔علم و ہدایت کا منبع بھی یہی ہے اور قانون کا ماخذ اوّل بھی یہی آخری کتاب

ہے۔اہل سنت کے نزدیک قرآن مجید کے بعد علم وقانون کا ماخذ وسرچشمہ احادیثِ رسول ﷺ ہیں جن کے سب سے زیادہ معتبر مجموعے چھ ہیں (صحاح ستہ) صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ترمذی، صحیح نسائی، صحیح ابن داؤد اور صحیح ابن ماجہ۔ یہ لفظ 'صحیح' جو حدیث کے ساتھ بولا جاتا ہے یہ علم حدیث کی ایک اصطلاح ہے نہ کہ عرفِ عام کا لفظ صحیح کہ اس کے علاوہ باقی سب حدیثیں غلط ہیں۔

صحیح مسلم میں باب الفتن میں قربِ قیامت کے احوال میں کئی احادیث مروی ہیں جن میں ''دجال'' کی آمد اور اس کی سرگرمیوں کا تذکرہ ہے اس پس منظر میں یہ حدیث بھی آتی ہے کہ

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أَنَّ رسُولَ اللهِ ﷺ قال يَتْبَعُ الدَّجَّالَ مِنْ يَهُودِ أَصْبَهَانَ سَبْعُونَ أَلْفًا عَلَيْهِمُ الطَّيَالِسَةُ (مسلم)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اصفہان (اصبہان) کے یہود سے ستر ہزار دجال کی پیروی کریں گے جنہوں نے (سیاہ) چغے (GOWN) پہنے ہوں گے''

''دجل'' عربی لفظ ہے اس سے فَعَّال اور کذّاب کے وزن پر ''دجال'' کا لفظ آیا ہے دجال کے لفظی معنیٰ ہیں بہت بڑا دھوکے باز۔ یہ دور جس سے ہم گزر رہے ہیں یہ فتنۂ دجال کا دور ہے احادیث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایک شخص معین بھی آئے گا جو دجال کہلائے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے اہل ایمان کے لئے فتنہ دجال کو تاریخ انسانی کا سب سے بڑا فتنہ قرار دیا ہے اور اس دور میں اہل ایمان پر بہت زیادہ مشکلات اور ابتلائیں ہوں گی آسمان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور صحیح ترمذی میں روایت ہے کہ

يَقْتُلُ ابْنُ مَرْيَمَ الدَّجَّالَ بِبَابِ لُدّ

''حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام بابِ لُد پر دجال کو قتل کریں گے''

''لُدّ'' یروشلم کا قدیم شہر ہے جو آجکل اسرائیل میں شامل ہے یہاں اسرائیل کا بہت بڑا ائیر بیس (AIR BASE) ہے یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ''دجال'' کو قتل کر دیں گے گویا اصفہان سے دجال کے نکلنے کے بعد خیر وشر کی قوتیں صف آرا ہوں گی اور دجال کی عملداری اسرائیل تک پھیل جائے گی جہاں خیر وشر کے ایک معرکے میں دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

ہاتھوں قتل ہو جائے گا۔

اہل سنت کے نزدیک بھی مستقبل قریب میں اصفہان سے لے کر بحیرہ روم تک خیر وشر کا معرکہ بپا ہونے والا ہے جس میں کئی مرحلوں سے گزر کر بالآخر فتح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معیت میں لڑنے والے لشکرحق (مسلمانوں) کی ہوگی۔

اثنا عشری شیعہ حضرات کے نزدیک اصفہان کی اہمیت

شیعہ مسلک میں اصفہان کی اہمیت اسماعیل صفوی کا اسے دارالحکومت بنانے سے ہی واضح ہے پھر یہاں نقش جہاں اسکوئر جسے امام اسکوئر بھی کہتے ہیں اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شہراور بالخصوص امام اسکوئر بہت اہم مقام ہے۔

اثنا عشری شیعہ حضرات امامت کے قائل ہونے کی بنا پر 12 اماموں پر یقین رکھتے ہیں۔جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ تک گیارہ نامور شخصیات ان کے نزدیک امامت کے منصب پر فائز تھیں جبکہ بارہویں امام ''مہدی'' پیدا ہوئے تھے اور اس وقت سے اب تک روپوش ہیں۔ شیعہ مسلک کے مطابق انہیں دوبارہ آنا ہے اور یہ ''ظہور مہدی'' کا دور شیعہ مسلک کے عروج کا دور ہوگا اور ان پر تاریخ میں جو مشکلات آئی ہیں ان کا ازالہ بھی اسی دور میں ہوگا۔

اصفہان کی اہمیّت اس وجہ سے بھی ہے کہ امکان غالب ہے کہ شیعہ مسلک کے مطابق ان کے ظاہر ہونے والے بارہویں امام اسی علاقے میں آئیں گے لہٰذا اس پہلو سے بھی اصفہان کی اہمیت نوشتۂ دیوار (WRITING ON THE WALL) ہے کہ شیعہ مسلک کا تابناک مستقبل اسی علاقے سے وابستہ ہے اور یہ علاقہ ان کی اُمیدّوں کا مرکز ہے۔

مستقبل میں عالمی، مقتدر اور مذہبی اہمیّت کی حامل تین شخصیات اصفہان کے علاقے سے ظہور پذیر ہوں گی۔یعنی بنی اسرائیل (یہود) کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جن کا ذکر ان کی کتابوں میں ہے)، اہل سنت کے نزدیک دجال اور اثنا عشری شیعہ حضرات کے نزدیک ان کے ایک امام غائب کا ظہور ہوگا جو ان کے نزدیک بارہویں امام ہیں اور 'امام مہدی' کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔لہٰذا ـــــ اس علاقے کا آنے والے دور میں عالمی اہمیت اختیار کر جانا اور

عالمی سیاست کا مرکز ومحور قرار پانا ایک یقینی امر ہے۔ یہ تینوں عالمی شخصیات بیک وقت ظاہر ہوتی ہیں یا کسی خاص خدائی تدبیر کے تحت آگے پیچھے یا وقفے وقفے سے یکے بعد دیگرے یہ مستقبل کی بات ہے اوراس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔اتنی بات یقینی ہے کہ خیر وشر کا ایک بڑا معرکہ مشرق وسطیٰ کے علاقے (اوراس سے ملحقہ ملکوں) میں ہوگا جس سے اولاً بہت بڑی تباہی آئے گی اور بالآخر مسلمانوں کے حق میں خیر برآمد ہوگا۔

ہماری یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنے والے ان حالات میں مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت فرمائے انہیں فتنہ کے دور میں حق کا ساتھ دینے کی توفیق دے اوراس معرکے کو اُمتِ مسلمہ کے لئے فتح وکامرانیاں کی نوید بنادے (آمین)

(یادرہے کہ اہل سنت کے نزدیک بھی قربِ قیامت میں ایک مسلمان رہنما سامنے آئے گا جو مسلمانوں کو فتح دلائے گا مگر وہ مکہ مکّرمہ کے علاقے میں ہوگا اس کا لقب بھی احادیث میں ''مہدی''، یعنی ہدایت یافتہ آیا ہے اس سے غلط فہمی کا امکان ہے جسے دور کرلینا چاہئے)۔

ہمیں ان سطور کے لکھنے اوراصفہان کو عالمی سیاست کا مرکز قرار پانے سے صرف اتنی دلچسپی ہے کہ یورپی استعمار کا خاتمہ ہوگا اورامریکی بے رحم، ظالم اور انسان نما حیوان (BEASTS) کارپردازوں اور منصوبہ سازوں کا غرور واستکبار خاک میں مل جائے گا اور ایرانی صدر کے ایک اخباری بیان میں دی گئی دھمکی (اور خواہش) پوری ہو جائے گی کہ اسرائیل (صہیونیت) کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔ بقول برٹرینڈ رسل مغرب سے طاقت واقتدار کا ''ہما'' مشرق میں آجائے گا اوراس طرح آنے والے دور میں سیکولرازم کی جگہ خدا پرستی اورلبرل ازم کی جگہ شرم وحیا اوراخلاق کا دور دورہ ہوگا جس سے صرف اس علاقے کے لوگ ہی نہیں کل روئے ارضی پر موجود ساری انسانیت سکھ کا سانس لے سکے گی اور انسانی اخوت، مساوات اور حقیقی آزادی کا خواب حقیقت بن جائے گا۔ بقول اقبال

؎ پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی

حقیقت توبہ

مقرر: انجینئر مختار فاروقی

تذکیری نشست کیڈٹ کالج جھنگ میں 13 اپریل 2014ء کو ماہانہ خطاب مذکورہ عنوان سے ہوا، جسے استفادۂ عام کے لیے شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے (مرتب انجینئر عبداللہ اسماعیل)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ
عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ
یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّمَا التَّوْبَۃُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِکَ یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا O وَلَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَھُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا O (18-17:04) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ وَ احْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

عزیز طلباء اور معزز حضرات! آج ہماری گفتگو کا عنوان ہے توبہ اور توبہ کی حقیقت۔

توبہ کا لفظ ہم سب بولتے ہیں اور ہمارے دین کی ایک بہت ہی اہم اصطلاح ہے اور یہ ہر شخص کے لئے بہت ضروری ہے۔ ہم سب جو زندگی گزار رہے ہیں اور زندگی میں جو کام کر رہے ہیں ہمارا دین یہ کہتا ہے کہ ہم نے ان سب کا اپنے رب کو جواب دینا ہے۔ اس دنیا کی زندگی یہی ہے کہ اس

میں لوگ آتے ہیں، بچے پیدا ہوتے ہیں، بڑے ہوتے ہیں، جوان ہوتے ہیں بوڑھے ہو جاتے ہیں علم حاصل کرتے ہیں اعلیٰ عہدوں تک پہنچتے ہیں کوئی زندگی میں وزیر اعظم بنتا ہے، کوئی وزیر بنتا ہے، کوئی فوجی بنتا ہے، کوئی تاجر بنتا ہے، کوئی استاد بنتا ہے اور پھر زندگی گزار کر لوگ یہاں سے چلے جاتے ہیں۔ وہ مرنے کے بعد کہاں جاتے ہیں؟ جو لوگ غیر مسلم ہیں وہ تو سمجھتے ہیں کہ جو آدمی مرگیا سو مرگیا ختم ہو گیا جیسے گدھا مرگیا، شیر مرگیا، گھوڑا مرگیا، ہاتھی مرگیا، کتا مرگیا، ختم ہو گیا۔ اب دنیا کی ایک عظیم اکثریت امریکہ، یورپ، برطانیہ، چین، جاپان یہ سارے ہی غیر مسلم ہیں اور ان تمام ممالک کے رہنے والوں کے نزدیک مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں بس انسان زندگی میں جو کچھ کرے، لوٹے، ظلم کرے، زیادتی کرے، مارے پیٹے، صرف پولیس کی نگاہ سے بچتا رہے، مار نہ پڑے بس اس کے بعد وہ مرگیا تو ختم۔ جبکہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا دین ہمیں یہ کہتا ہے کہ مرنا ختم ہونے کا نام نہیں ہے، مرنے کے بعد ایک اور زندگی شروع ہونے والی ہے۔ یہ کوئی انسان اپنے تجربے سے نہیں بتا سکتا۔ کوئی آدمی ایسا نہیں ہے کہ وہ مرگیا ہو اور پھر تھوڑی دیر کے لئے واپس آیا ہو اور آکر بتائے کہ بھائی! میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ مرنے کے بعد بہت برا حال ہے بہت سوالات ہو رہے ہیں تو تم سیدھے ہو جاؤ۔ دنیا میں اس کی کوئی ایک مثال بھی نہیں ہے۔ دنیا میں ہمیں یہ باتیں اللہ نے بتائی ہیں یہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اور محمد ﷺ پر اترا تھا ہمیں یہ بات محمد رسول اللہ ﷺ نے بتائی ہے اور ہم اپنے آقا حضرت محمد ﷺ کو نبی مانتے ہیں اور نبی ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو ایک سچا انسان مانتے ہیں اور سچا انسان بھی اس طرح کا مانتے ہیں کہ ساری دنیا کی رائے ایک ہو ساری دنیا کے لوگ کہہ رہے ہوں کہ یہ بات ایسے ہے اور محمد ﷺ کی رائے ایک طرف ہو وہ اپنی رائے میں اکیلے ہوں تو بھی بات کس کی سچی ہے؟ بات محمد رسول اللہ ﷺ کی سچی ہے۔ ساری دنیا مخالفت کر رہی ہو بات کسی کی سمجھ میں نہ آ رہی ہو اور وہ اپنے کسی مفاد کی وجہ سے اسے مان نہ رہے ہوں لیکن جو بات محمد ﷺ کہہ رہے ہیں وہ بات صحیح ہے۔ تو نبی ماننے کا یہی مطلب ہے۔ لہٰذا ہمیں تو آخرت کو مانے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ قبر میں کیا ہوتا ہے؟ منکر نکیر فرشتے کیسے آتے ہیں؟ قیامت کے دن کیسے زندہ کیے جائیں گے؟ حساب کتاب کیسے ہوگا؟ جنت کیسے ہوگی؟ دوزخ کیسی ہوگی؟ جنت کی نعمتیں کیا ہیں؟ یہ آج ہم

سوچ ہی نہیں سکتے یہ ایک دوسری دنیا ہے ایک اور جہاں ہے۔ لیکن ہم مانتے ہیں کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے۔ لہٰذا ہم سب یہاں زندگی گزار رہے ہیں اور پھر آدمی یہاں سے چلا جاتا ہے نوجوان بھی جا رہے ہیں، چھوٹی عمر کے جا رہے ہیں، بڑی عمر کے جا رہے ہیں، کئی بوڑھے ستر اسّی سال کی عمر کے بھی جا رہے ہیں، لیکن جو جتنی عمر میں جائے گا اور اس نے یہاں جو کام کیے ہیں اچھے کام کیے ہیں یا بُرے کام کیے ہیں، شرارتیں کی ہیں، لوگوں کو تنگ کیا ہے، پریشان کیا ہے یا خدمت خلق کی ہے، ان سب باتوں کا اللہ کے ہاں حساب ہونا ہے اللہ کے سامنے ہر شخص کو پیش ہونا ہے اور پوری زندگی کا حساب دینا ہے۔ یہ ہمارا دین ہمیں کہتا ہے۔ آپ ابھی نوجوان ہیں آج سے ہی سوچنا شروع کر دیں گے تو شاید کچھ دنوں میں کچھ سالوں میں آپ کو سمجھ آجائے کہ دنیا میں ہم انسان جو کچھ کرتے ہیں کچھ لوگ اچھے کام کرتے ہیں، کچھ لوگ شرارتیں کرتے ہیں، لیکن اچھے لوگوں سے بھی کبھی کبھار غلطی ہو جاتی ہے غلطی کے امکان تو موجود ہیں آج 100 فیصد تو کوئی بھی صحیح نہیں ہو سکتا کسی سے کم غلطیاں ہوتی ہیں کسی سے زیادہ ہوتی ہیں، لیکن لوگوں کو، نوجوانوں کو، بڑوں کو، چھوٹوں کو غلط کاموں سے روکنا کہ آج کے بعد کوئی شرارت نہیں کرے گا، آج کے بعد کوئی کسی کی چیز نہیں چھپائے گا آج کے بعد کوئی جھوٹ نہیں بولے گا، جو لوگ بڑے ہیں کوئی کم نہیں تولے گا، کوئی ملاوٹ نہیں کرے گا، کوئی بد یانتی نہیں کرے گا، کوئی کسی کو نہیں مارے گا۔ دنیا میں ہمارے پاس بُرے کاموں سے روکنے کے لئے کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے آخرت پر ایمان کے۔ آپ کتنا ہی سخت قانون بنالیں جگہ جگہ پولیس کھڑی کر دیں اور ہر طرح سے انتظامات کر دیں پھر بھی لوگ غلط کام کرنے کا، نافرمانی کا، شرارت کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی لیں گے۔ اللہ تعالیٰ جو ہمارا خالق اور مالک ہے جس نے ہمیں بنایا ہے وہ ہمارا محسن ہے، ہماری خیر اور بھلائی چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ ہم اچھے کام کریں۔ اللہ کو معلوم ہے کہ انسان کے اندر کوئی شرارت کا پہلو بھی ہے لہٰذا اللہ نے آخرت کا احساس دیا ہے اور انسان کو غلط کاموں سے روکنے کا یہ نظام بنایا ہے۔ ذرا غور کریں کہ ہر آدمی پر تو ایک نگران مقرر نہیں کیا جا سکتا جو ہر وقت اس کے ساتھ رہے اور جہاں یہ غلط کام یا کوئی حرکت کرنے لگے وہاں اس کو خود ٹھیک کر دے یا اس کی شکایت کر دے۔ ہر آدمی پر ایک پولیس والا بھی نہیں لگایا جا سکتا، پولیس والا بھی آخر انسان ہے اسے بھی آرام کرنا ہے چھٹی کرنی ہے

اور کھانا ہے اور گھر جانا ہے اگر آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی لگائیں تو ہر آدمی پر 24 گھنٹے نگرانی کے لئے تین آدمی چاہئیں جو آٹھ آٹھ گھنٹے اس پر پوری نگرانی کریں گے کہ یہ کیا کر رہا ہے۔ تو پھر یہ تو مسئلہ حل ہونے والا نہیں۔ یہ اللہ نے ہمیں بتایا ہے کہ ہر انسان کو اللہ خود دیکھ رہا ہے اور اللہ جانتا ہے کہ ہر انسان کیا کرتا ہے۔ دیکھو! انسان کی ایک زندگی وہ ہے جیسے ہم یہاں مل کر بیٹھے ہیں، یہاں سے باہر جائیں گے کھیل کود ہوگا پھر کلاس میں چلے جائیں گے، پھر مسجد میں چلے جائیں گے۔ یہ ہماری اجتماعی زندگی ہے، مل جل کر زندگی گزار رہے ہیں۔ اس اجتماعی زندگی میں ہمیں ایک دوسرے کے بارے میں معلوم ہو جائے گا کہ کون کتنے بجے آیا تھا، نماز میں کون پہلے آیا اور کون بعد میں آیا، کون پہلی رکعت میں پہنچا اور کون آخری رکعت میں پہنچا۔ لیکن ایک ہماری زندگی ہوتی ہے انفرادی زندگی، جب آدمی کمرے میں اکیلا ہوتا ہے تو کنڈی لگا دیتا ہے، باتھ روم جاتا ہے تو اکیلا ہوتا ہے کنڈی لگا دیتا ہے، اسی طرح اور کئی مواقع آتے ہیں کہ آدمی اکیلا ہے بظاہر اس کو کوئی نہیں دیکھ رہا۔ جو کافر لوگ ہیں ان کے نزدیک تو موج کا اور عیش کرنے کا موقع ہے، کوئی بندہ دیکھ ہی نہیں رہا۔ لیکن اللہ نے بتایا ہے کہ انسان ایک جواب دہ مخلوق ہے، اس کو آخرت میں جواب دینا ہے لہٰذا اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو اور ہر چیز نوٹ ہو رہی ہے۔ اللہ نے کراماً کاتبین دو فرشتے ہر آدمی کے ساتھ لگا دیے ہیں ایک دائیں کندھے پر بیٹھا ہے ایک بائیں کندھے پر۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے اور قرآن مجید میں ہے۔ کافر یقیناً یہ نہیں مانتے، لیکن ہم مسلمان تو مانتے ہیں کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں یا زبان سے بولتے ہیں فرشتے لکھ رہے ہیں۔............ آج جو آدمی ستر سال کا ہے وہ ساٹھ سال پہلے پرائمری سکول میں ہوگا، پچاس سال پہلے وہ کالج میں ہوگا تو ہر آدمی چاہے جتنا بوڑھا ہو جائے عورت ہو یا مرد، اس کو اپنی بچپن کی باتیں بھی ساری یاد ہوتی ہیں کہ یہ کام ایسے کیا تھا، یہ ایسے کیا تھا، کوئی شرارت کی تھی، کسی کو نقصان پہنچایا تھا، کبھی سکول نہیں گئے تھے، کبھی مار پڑی تھی، کسی امتحان میں اتنے نمبر آئے تھے، کوئی انعام ملا تھا، کسی امتحان میں فیل ہو گیا تھا اس کا یہ نتیجہ نکلا تھا، دوستوں کے پرانے گھر جانتے ہیں، شہر کی حالت تبدیل ہو جاتی ہے، مکان گر جاتے ہیں، پچاس سال بعد بہت تبدیلی واقع ہو جاتی ہے، لیکن اس شہر کا رہنے والا جانتا ہے کہ پچاس سال پہلے یہ سڑک ایسے تھی، یہ اسٹیشن ایسے تھا، یہ سول لائن ایسی تھی، وہ بتا دیں گے، حالانکہ وہ

پاکستان بننے کا وقت ہوگا اس وقت بھی بتا دیں گے کہ یہ سڑک یوں تھی ،اس زمانے میں اس گھر میں فلاں رہتا تھا ان کا بچہ میرا کلاس فیلو تھا آج کل وہ وزیر بنا ہوا ہے، جنرل بنا ہوا ہے وغیرہ وغیرہ۔تو ہر آدمی اپنے ماضی کو جانتا ہے۔آپ اس ادارے میں پڑھ رہے ہیں دس، بیس، تیس، چالیس، پچاس سال بعد جب بھی آپ یہاں سے گزریں گے آپ کو یاد آ جائے گا میں یہاں پڑھتا تھا اور یہ میرا کلاس روم ہوتا تھا اور میں یہاں بیٹھ کر کھانا کھاتا تھا اور یہ یہ میرے کلاس فیلو تھے اور ان کی بچپن کی شکلیں بھی آپ کو یاد ہوں گی، حالانکہ بڑے ہو کر آدمی بدل جاتا ہے۔تو اللہ نے انسان کے اندر بھی کوئی ایسا نظام بنا دیا ہے کہ ہر چیز محفوظ ہو رہی ہے جو کچھ ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں ہم تو سمجھتے ہیں کہ ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں اصل میں یوں سمجھیں کہ یہ دو ویڈیو کیمرے ہیں جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ اندر کہیں محفوظ ہو رہا ہے۔انسان کے دماغ میں کوئی ایسی میموری ہے، کوئی ہارڈ ڈسک ہے جس میں جو بھی چیز آپ دیکھ رہے ہیں وہ اندر محفوظ ہو رہی ہے۔حتیٰ کہ جو آوازیں ہم سنتے ہیں یہ بھی محفوظ ہو رہی ہیں، آڈیو ریکارڈنگ بھی ہے، ویڈیو ریکارڈنگ بھی ہے۔جو بڑی عمر کے لوگ ہیں وہ جانتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسے ہوتا ہے میرے ساتھ ایسے ہوا، آپ بڑے ہو جائیں گے آپ کے ساتھ بھی ایسے ہی ہوگا کہ یہاں سے جب آپ پڑھ کر چلے جائیں گے پھر ہر کوئی اپنے اپنے کاموں میں لگ جائے گا پھر دس، بیس سال بعد کسی پرانے دوست سے ملاقات ہوگی تو آدمی آواز سے اس کو پہچان جائے گا کہ یہ جو کہیں بول رہا ہے یہ فلاں آدمی ہوگا تو اس کی آواز بھی آپ کے ذہن میں کہیں محفوظ ہوگی جس کو آپ تلاش کر لیں گے کہ اس کا یہ نام ہے، اس کا یہ رول نمبر ہے، ہم کلاس فیلو تھے اور وہ کہاں کا رہنے والا ہے، تو یہ ساری باتیں اللہ خود بھی جانتا ہے، دو فرشتے مقرر کیے ہوئے ہیں اور تیسرے درجے میں ہر انسان کے اندر بھی ہر چیز ریکارڈ ہو رہی ہے۔

قرآن مجید میں اسی طرح ہے، پندرھویں پارے میں سورۃ بنی اسرائیل ہے اس میں کہا گیا ہے کہ ہر انسان کے اندر کوئی چیز ہے کوئی چپ (CHIP) ڈالی گئی ہے جس میں ہر چیز، ہر حرکت اور ہر اشارہ ریکارڈ ہو رہا ہے اور اس چپ کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نکال کر سامنے لا دیں گے۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اِقْرَاْ كِتَابَكَ ہم تمہارا سارا ریکارڈ تمہیں دے رہے ہیں خود پڑھ لو۔ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (14:17) تم خود اس پر گواہ کافی ہو۔یہ

تمہاری ہی ساری تصویر ہوگی، تمہارا ہی ساری زندگی کا کردار ہوگا،تم انکار کر ہی نہیں سکو گے۔تو کئی ذرائع سے ہم سب کی نگرانی ہو رہی ہے جیسے حکومتیں یا ادارے تو سیکورٹی کیمرے لگاتے ہیں اور سیکورٹی والا آدمی بیٹھ کر دیکھتا رہتا ہے کہ گیٹ پر کیا ہو رہا ہے، کلاس روم میں کیا ہو رہا ہے، میس میں کیا ہو رہا ہے۔تو اللہ تعالیٰ کا سیکورٹی اور ہر آدمی کی نگرانی اور ہر آدمی کو WATCH کرنے کا جو نظام ہے وہ کہیں زیادہ سخت اور مؤثر ہے۔ پھر جب انسان اس دنیا سے چلا جاتا ہے تو مثال کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام فوت ہو گئے یہ کتنے ہزار سال پہلے کی بات ہے، کچھ لوگ آج فوت ہو رہے ہیں دنیا چل رہی ہے کچھ عرصے بعد جو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، ایک وقت آئے گا کہ تمام انسان بیک وقت ختم کر دیے جائیں گے اس دنیا کا ایک END ہے۔اس آخری وقت کے بعد کچھ عرصہ گزرے گا تو پھر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری انسان تک سارے انسان دوبارہ زندہ کر دیے جائیں گے اور پھر وہ دن ہوگا جسے ہم قیامت کا دن کہتے ہیں، پھر اسمبلی ہوگی، پھر اللہ کے سامنے پیشی ہوگی، پھر حساب کتاب ہوگا اور اعمال تولے جائیں گے، پوچھ گچھ ہوگی اور پھر یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ کس نے جنت میں جانا ہے اور کس نے سزا بھگتنی ہے۔ یہ بات دنیا میں صرف مسلمان مانتے ہیں بس، غیر مسلم دنیا اس کو تسلیم نہیں کرتی، لہٰذا غیر مسلم دنیا میں جو الٹے سیدھے کام کرتے ہیں وہ ان کے لئے مسئلہ ہی نہیں، وہ کرتے رہتے ہیں وہ آخرت کو مانتے ہی نہیں کسی نے بے چاروں کو بتایا ہی نہیں۔ جبکہ ہمیں اللہ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا ہے۔اور قیامت تو آ جائے گی اس دن ان کافروں کا کیا حال ہوگا؟۔

اب اگر یہ بات سمجھ آ جائے کہ ہم میں سے ہر شخص نے اللہ کے سامنے پیش ہو کر اپنی ساری زندگی کا (تھوڑی ہے یا زیادہ) حساب کتاب دینا ہے تو پھر اس کی اہمیت سمجھ میں آئے گی اور احساس ہوگا کہ بھائی مجھے تو آج تک کسی نے بتایا ہی نہیں کہ دین یہ کہتا ہے، اتنے سال ہو گئے ہیں میں تو نماز ہی نہیں پڑھ رہا، میں نے تو قرآن مجید سیکھا ہی نہیں ہے، تو اب کیا کیا جائے؟ یہ مسئلہ تب پیدا ہوگا جب دل میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ اگر حساب کتاب ہے تو میرا تو یہ مسئلہ ہے، اب کیا طریقہ نکالا جائے۔اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ تمہارا مسئلہ ہے تمہارے والدین کو بتانا چاہئے تھا لیکن اللہ تعالیٰ بہت ہی رحیم اور شفیق ہیں۔اللہ نے توبہ کا ایک راستہ کھول

دیا ہے توبہ کی گنجائش رکھ دی ہے کہ اگر کسی آدمی کو احساس ہو جائے کہ میں بھول گیا تھا اور ایک عرصے تک مجھے سبق یاد نہیں رہا مجھ سے کوتاہی ہوگئی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو گنجائش دے دیتا ہے کہ کوئی بات نہیں ہے اب تک تم بھولے رہے ہو، تب تمہیں احساس نہیں تھا کہ میری یہ ذمہ داری ہے، مجھے یہ بھی کرنا ہے، مجھے اس کا بھی جواب دینا ہے آج سے فیصلہ کرلو کہ جو پیچھے ہو گیا وہ الگ، اے اللہ! آج میں توبہ کرتا ہوں اور آئندہ تیرا کہنا مانوں گا۔ کوئی آدمی اگر اس طرح فیصلہ کرلے، کوئی نوجوان، کوئی عورت، مرد، بوڑھا، صرف جوان نہیں، کوئی آدمی ساٹھ سال ہو گئے اس طرح زندگی گزار رہا ہے کہ جدھر منہ آیا ادھر چلا گیا، جو دل میں آیا کرلیا، جو چاہا سن لیا، جو چاہا کھالیا، جو چاہا پی لیا یہ نہیں سوچا کہ اللہ تعالیٰ ﷻ کیا کہتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کیا کہتے ہیں، اب ساٹھ سال کی عمر میں کسی کو کوئی وعظ یا تقریر سن کر یہ خیال آجائے کہ یہ تو بڑا مسئلہ ہو گیا، اگر واقعی حساب کتاب ہونا ہے تو میری تو ساری زندگی گزر گئی مجھے تو اللہ کو جواب دینا بڑا مسئلہ ہو جائے گا کیا کیا جائے؟ وہ واقعی (SERIOUSLY) پریشان ہو جائے، سوچنے پر آمادہ ہو جائے کہ اب اس کا کیا حل نکالا جائے میرا قصور تو ہے لیکن مجھے تو کسی نے بتایا بھی نہیں ہے۔ یہ توبہ کا راستہ یہاں سے کھلتا ہے کہ اللہ نے ایک گنجائش پیدا فرمادی ہے کہ اگر تم واقعی (SERIOUSLY) سچائی کے ساتھ یہ کہہ سکو کہ میں آج تک بھولا رہا ہوں کہ نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، سچ بولنا چاہیے یہ کرنا چاہیے یہ کرنا چاہیے تو چلو کوئی بات نہیں تم توبہ کرلو۔

توبہ کا کیا مطلب ہے؟ اس کی شرائط کیا ہیں؟ وہ ابھی ہم آگے بیان کرتے ہیں۔ یہ چوتھے پارے میں سورۃ النساء ہے اس کی دو آیتیں میں نے آپ کے سامنے پڑھیں تھیں ان کا پہلے ترجمہ کر لیتے ہیں۔ اللہ نے دو طرح کی توبہ کا ذکر کیا ہے۔ ایک توبہ وہ ہے جس کے بارے میں فرمایا کہ آدمی اگر اس طرح توبہ کرلے تو اس کی توبہ میں ضرور قبول فرماؤں گا اور ایک دوسرے آدمی کا ذکر کیا ہے کہ اس آدمی کی توبہ میں ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ اور توبہ قبول ہونے کا مطلب حدیث مبارکہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلتَّـائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ (ابن ماجہ) جو آدمی گناہ سے اللہ کی نافرمانی سے خلوص کے ساتھ سچی توبہ کر لیتا ہے وہ ایسے ہو جاتا ہے کہ جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں، اللہ اس کا سارا سابقہ ریکارڈ محو کر دیتا ہے بشرطیکہ وہ سچی توبہ

کرے۔تو اللہ تعالیٰ ساری سابقہ غلطیوں سے درگزر فرما دیتا ہے سابقہ رجسٹر بند کر کے ایک نیا رجسٹر اس کا ایک کھول دیتے ہیں۔کتنا بڑا احسان ہے۔تو توبہ واقعتاً بہت اہم اور انسانوں کے لئے اللہ کی خاص رحمت ہے۔قرآن مجید کہہ رہا ہے کہ دوسری قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول ہی نہیں کرتے۔ یہ انسان کا کتنا بڑا نقصان ہے کہ وہ توبہ کررہا ہے اور بار بار کررہا ہے اور اللہ کہہ رہا ہے، تمہاری توبہ قبول نہیں، تمہاری توبہ قبول نہیں۔تو سوچنا پڑے گا کہ کہیں ہماری توبہ بھی اس طرح کی نہ ہوجائے جو قابل قبول نہیں ہے۔

ان آیات کا ترجمہ یہ ہے فرمایا:اِنَّمَا التَّوۡبَةُ عَلَى اللّٰهِ ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جب وہ توبہ کرتے ہیں تو ان کی توبہ اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمالیتے ہیں۔جیسے WELCOME کرتے ہیں کہ شاباش آجاؤ کوئی بات نہیں۔جو اچھے کام کرتے ہیں معقول ہیں اللہ اور رسول ﷺ کا کہنا مانتے ہیں کسی کا نقصان نہیں کرتے تو کبھی ان سے غلطی ہوجاتی ہے۔فرمایا:لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ بِجَهَالَةٍ کبھی کبھی کوئی غلطی کر بیٹھتے ہیں ثُمَّ يَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِيۡبٍ پھر جلدی سے توبہ کرتے ہیں۔غلطی تو انسان سے ہوگی TO ERR IS HUMAN انسان خطا کار ہے کوئی انسان یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ مجھ سے کبھی غلطی نہیں ہوئی اور آئندہ بھی نہیں ہوگی، بلکہ روز غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اچھا انسان صرف وہ ہے جو کم غلطیاں کرتا ہے ایک آدمی وہ ہے جو روز 100 غلطیاں کرتا ہے اس سے بہتر وہ ہوگا جو روز 50 غلطیاں کرتا ہے پھر اس سے بہتر وہ ہوگا جو 10 غلطیاں روز کرتا ہے پھر اس سے بہتر وہ ہوگا جو ایک غلطی روز کرتا ہے اس سے بہتر وہ ہوگا جو مہینے میں صرف چار، پانچ غلطیاں کرتا ہے، اس سے بہتر وہ ہوگا جو سال میں صرف دس، بیس غلطیاں کرتا ہے، اس سے بہتر وہ ہوگا جس نے پچاس ساٹھ سال کی ساری زندگی میں سو پچاس غلطیاں کی ہوں گی۔ہم صرف پیغمبروں کو معصوم مانتے ہیں۔جو اللہ کی طرف سے PROPHET یعنی نبی اور رسول بن کر آئے ہیں وہ لوگوں کے لئے نمونہ تھے، وہ غلطی سے پاک تھے معصوم تھے اللہ تعالیٰ ان کو غلطی سے بچالیتا تھا۔انسان وہ بھی تھے ان سے غلطی ہونے کا امکان ہوتا تھا اللہ تعالیٰ ان کو بچالیتا تھا، اسی کو معصوم کہا جاتا ہے۔تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔اس لئے کہ اگر کسی نبی سے خدانخواستہ غلطی ہوجائے تو نبی کا کام تو امت کے لئے نمونہ اور سنت ہوتی ہے وہ تو دلیل بنتی ہے ہر

نبی کا کام اس کے ماننے والوں کے لئے سنت کہلاتا ہے وہ اس کے لئے سند بنتا ہے کہ یہ کام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا ہے تو خدانخواستہ نبی سے کوئی غلطی ہو جائے تو وہ تو سند بن جائے گی سب کے لئے ۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نبیوں علیہم السلام کو غلطی سرزد ہونے سے پہلے بچا لیتا تھا اسی کو کہا جاتا ہے کہ وہ معصوم تھے۔امکان ہوتا تھا کہ ہو جائے مثال کے طور پر قرآن مجید میں ہے کہ قریب تھا کہ آپ یوں کر بیٹھتے لیکن اللہ نے آپ کو بچا لیا۔نبیوں کے علاوہ کوئی شخص بھی معصوم نہیں ہے اہل سنت خیالات کے جو لوگ ہیں ان کے نزدیک تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی معصوم نہیں ہیں ان کی خطائیں بہت ہی کم ہوں گی لیکن وہ معصوم نہیں ہیں۔غلطیاں تو سب سے ہوتی ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آدمی جب غلطی کرتا ہے تو اس کو احساس ہو جاتا ہے اس کا ضمیر اس کو فوراً اشارہ کرتا ہے کہ غلطی ہوگئی ہے گڑبڑ ہوگئی ہے، ہر آدمی کو احساس ہو جاتا ہے ہر آدمی کے اندر ایک اور انسان بولتا ہے اندر کوئی چیز انسان کو اشارہ کر دیتی ہے کہ یہ کام غلط ہو گیا ہے چوری کر لی، جان بچانے کے لئے جھوٹ بول دیا، یا کوئی کام بھی ہوسکتا ہے اندر سے احساس ہو جاتا ہے کہ یہ کام غلط ہو گیا ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔تقاضا یہ ہے کہ اس پر توبہ کرو اور فرمایا کہ اگر تم فوراً توبہ کر لو گے کہ اے اللہ یہ غلطی ہوگئی آیندہ میں کوشش کروں گا کہ یہ نہ ہو۔اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی توبہ ضرور قبول فرماتا ہے۔ اور یہ اچھا انسان ہونے کی علامت ہے کہ گوشت پوست کا ہو کر غلطی کر کے فوراً مان گیا ہے اس سے زیادہ اچھائی اور کیا ہوسکتی ہے انسان کی اچھائی یہ ہے کہ اپنی غلطی مان لے۔ بہت سارے کام ہم کرتے ہیں اور بڑی بحثیں چلتی رہتی ہیں اور بہت HOT DISCUSSIONS ہوتی رہتی ہیں اس کا حل صرف یہ ہوتا ہے کہ آدمی کہے کہ غلطی ہوگئی۔آدمی غلطی نہیں مانتا اور جھوٹ کو ثابت کرنے کے لئے بحث و مباحثہ کرتا ہے پھر وہ آگے چلتا رہتا ہے اور نتیجہ اس کا کچھ نہیں نکلتا۔سارا مسئلہ حل ہوسکتا ہے اتنی سی بات پر کہ مجھ سے غلطی ہوگئی اور میں آئندہ کوشش کروں گا کہ نہ ہو۔یہ توبہ کی اعلیٰ قسم ہے کہ آدمی سے اگر غلطی ہو جائے جس کا امکان موجود ہے تو پھر آدمی فوراً توبہ کر لے۔

دوسری قسم کی توبہ جس کے بارے میں اللہ پاک فرماتے ہیں کہ وہ ہرگز قبول نہیں ہوگی۔فرمایا: وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ اور ان لوگوں کی توبہ کوئی توبہ نہیں ہے لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ جو ایک غلطی کرتے ہیں ان کو احساس بھی ہوتا ہے کہ یہ بری بات ہوگئی یہ تو نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن تو

بہ نہیں کرتے پھر اور غلطی کرتے ہیں اور مسلسل غلطیاں کرتے رہتے ہیں توبہ نہیں کرتے ان کی غلطیاں جمع ہو رہی ہیں ان کی غلطیاں PILE UP ہو رہی ہیں ان کا ڈھیر بنتا جا رہا ہے توبہ پر آمادہ نہیں ہیں۔ دل کہتا بھی ہے تب بھی نہیں کرتے۔ ایسے لوگ بھی ہمارے معاشرے میں بہت ہیں یہاں بچے جو پڑھ رہے ہیں وہ چار پانچ سال اکٹھے گزارتے ہیں کوئی بچہ پہلے دن شریر ہوتا ہے آخری دن تک شریر ہی ہے تو صاف ظاہر ہے اس نے اتنے عرصے میں توبہ نہیں کی۔ اسی طرح معاشرے میں بھی ہے ہمارے گلی محلے برادری میں کوئی آدمی دس سال پہلے جیسا تھا آج دس سال بعد بھی اسی طرح ہے اور مزید دس سال بعد دیکھیں گے تو بھی اسی طرح ہوگا۔ فرمایا ایسے لوگوں کی توبہ جو مسلسل غلطیاں کرتے رہتے ہیں اور نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ حَتّٰیٓ اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْـمَـوْتُ ......غلطیاں کرتے کرتے آخری وقت آجاتا ہے، ایکسیڈنٹ ہوا ہسپتال پہنچ گیا یا عام حالات میں بیمار ہوگیا ڈاکٹروں نے جواب دے دیا گھر لے آئے کہ جی بس اس کا آخری وقت ہے۔ غلطیاں کرتے کرتے یہ پوزیشن آجاتی ہے کہ آخری لمحہ آگیا۔

قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ اس وقت وہ کہے کہ اے اللہ میری توبہ۔ فرمایا ایسے آدمی کی توبہ کوئی توبہ نہیں۔ ساری زندگی تم غلطیاں کرتے رہے تمہیں توجہ دلاتے رہے تم نے توبہ نہیں کی اور اب جب آخری وقت ہے ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے تو اب تم کہہ رہے ہو میری توبہ۔ وَلَا الَّـذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَھُـمْ کُـفَّارٌ ......ان لوگوں کی بھی کوئی توبہ نہیں ہے جو اس حال میں مر جائیں کہ کافر ہی ہیں۔ کفر سے اسلام لے آنا وہ بھی توبہ ہے بلکہ بڑی توبہ ہے جیسے کوئی عبارت CAPITAL حروف میں لکھی ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کا گناہوں کو چھوڑ دینا بھی توبہ ہی ہے۔ کوئی غیر مسلم بڑے بڑے گناہ کر رہا ہے نافرمانی کر رہا ہے اللہ کا شرک کر رہا ہے اور بڑی بڑی BLUNDERS کر رہا ہے وہ مسلمان ہو جائے تو یہ بھی ایک بہت بڑی توبہ ہے اور کوئی مسلمان ہو کے وہی کام کر رہا ہے تو وہ کہے کہ اے اللہ! آئندہ میں یہ کام نہیں کروں گا تو یہ بھی توبہ کہلاتی ہے۔ تو فرمایا جو مسلمان ہو کر غلطیاں کرتا رہتا ہے اور آخری سانس قریب آجائے اس وقت توبہ کرے یا کوئی کافر ہے وہ اسی طرح آخری وقت پر کہے کہ میں مسلمان ہوتا ہوں تو فرمایا یہ کوئی توبہ نہیں ہے۔

قرآن مجید میں گیارھویں پارے میں فرعون کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

مقابلے میں ایک بہت بڑا مقتدر اور بہت ہی بدمزاج قسم کا بادشاہ تھا اور خدائی کا دعویدار تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سمندر کا پانی روک کر ایک راستے سے گزارا تو فرعون جوان کا پیچھا کر رہا تھا وہ بھی اپنے لشکر سمیت سمندر میں آ گیا اور اللہ کے حکم سے اس کا لشکر ڈوب گیا اور خود فرعون کو بھی غوطے آنے لگ گئے۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ جب آدمی ڈوب کر مرنے لگتا ہے نیچے جاتا ہے پھر اوپر آجاتا ہے ایک دو دفعہ پھر نیچے پھر اوپر بس اسی طرح کی کوئی کیفیت تھی کہ فرعون نے کہا کہ اے اللہ میری توبہ، میں بنی اسرائیل کے رب پر ایمان لاتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا تمہاری کوئی توبہ قبول نہیں ہے اب تو تجھے پتہ ہے کہ تو مر رہا ہے آخری سانس ہے اگلا لمحہ پتا نہیں آئے گا کہ نہیں آئے گا پہلے جب تو بادشاہ بن کر تخت پر بیٹھا تھا انسانوں کو ستاتا تھا تو وہاں توبہ کیوں نہیں کی۔ تو اس طرح آخری وقت میں توبہ بھی اللہ قبول نہیں فرماتے۔ اچھی توبہ یہ ہے کہ ایک غلطی ہوگئی (اس کا احساس تو ہو جاتا ہے) اسی وقت توبہ کر لو تو توبہ ہوگئی۔ لیکن اگر غلطیاں کرتے رہو جمع کرتے رہو اور آخری وقت جب آجائے اور مرنے والے ہو اس وقت کی توبہ کے بارے میں فرمایا یہ تو کوئی توبہ نہیں ہے۔ ہم سب جو یہاں بیٹھے ہیں ہم شاید پہلی قسم میں بھی نہیں ہیں اور آخری قسم میں بھی نہیں ہیں ہمارا بہرحال آخری وقت ابھی آیا تو نہیں ہے لہٰذا ہم کہیں درمیان میں کھڑے ہیں درمیان میں کھڑے لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ توبہ تو کرنی چاہئے اور اللہ سے توقع رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمالے گا اس لئے کہ وہ آخری مرحلہ تو نہیں آیا کہ اللہ کہے کہ تمہاری کوئی توبہ قبول نہیں۔ ہمارا معاملہ درمیان درمیان میں ہے اللہ کی مرضی پر ہے کہ اللہ ہم پر رحم فرما دے اور ہماری توبہ قبول فرمالے لہٰذا توبہ تو کرنی چاہئے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اللہ سے توقع رکھنی چاہئے اپنے طرز عمل سے ظاہر کرنا چاہئے کہ اللہ آپ واقعی میری توبہ قبول فرمائیں PLEASE آپ میری توبہ قبول کر لیں PLEASE مجھے NEGLECT نہ کریں PLEASE مجھے دھتکاریں نہیں PLEASE مجھے باہر نہ نکالیں PLEASE مجھ پر رحم کریں۔ بس اس طرح کی کیفیت اگر رہے گی تو اللہ سے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری توبہ بھی قبول فرمالیں گے۔

توبہ سے متعلق اگلی بات جو بتانے کی ہے وہ یہ ہے کہ توبہ سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں۔ جتنے انسان ہیں سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور یوں سمجھو کہ جیسے ہم باغ میں

پودے لگاتے ہیں یا پھولوں کے پودے، تو جو آدمی پودے لگاتا ہے اس کو ہر پودا بڑا قیمتی لگتا ہے کہ یہ میرا لگایا ہوا ہے تو ہر انسان آپ بھی اور میں بھی یوں سمجھو لگایا ہوا یہ اللہ کا ایک پودا ہے اللہ چاہتے ہیں کہ یہ پودا بڑا ہو یہ پھلے پھولے اس پر پھول لگیں اور یہ بڑا ہو کر پھل دے۔ لیکن جو آدمی غلطیاں کرتا ہے وہ سمجھو کہ پودا خراب ہو رہا ہے وہ پودا مرجھا رہا ہے، وہ پودا کملا رہا ہے، وہ پودا وہ سوکھ رہا ہے۔ تو جو آدمی توبہ کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے بہت ہی خوشی ہوتی ہے کہ میرا ایک بھٹکا ہوا آدمی واپس آ گیا ہے یہ آدمی بھٹک گیا تھا اس کو جہنم میں جانا تھا ساری زندگی جلنا تھا، اچھا ہوا کہ اسے کسی طرح بات سمجھ میں آ گئی ہے اور یہ واپس آ گیا۔ کوئی بچہ والدین سے ناراض ہو کر گھر سے چلا جائے اور یہ واقعات ہوتے رہتے ہیں، تو صاف ظاہر ہے کہ وہ واقعی چلا جائے وہ اغوا ہو جائے گا وہ یوں ہوگا اس سے کوئی بیگار لیں گے، کوئی ماریں گے، کوئی پیٹیں گے، کوئی خیال نہیں کرے گا، ماں اور باپ کی شفقت تو کہیں اور سے نہیں مل سکتی ایک دو دن بعد اگر اسے احساس ہو جائے اور وہ واپس گھر آ جائے تو والدین کو خوشی ہوگی کہ شکر ہے کہ واپس تو آ گیا ہے۔ اسے بھی خوش قسمتی کا احساس ہونا چاہیے۔ اسی طرح جو انسان غلطی کر رہا ہے اللہ سے دور ہو رہا ہے لیکن پھر اگر اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور واپس آ جائے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو WELCOME کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ہاں بہت اچھا ہے تمہاری خوش نصیبی ہے کہ تم آ گئے ہو، تم نے توبہ کر لی ہے اللہ تعالیٰ درگزر فرماتے ہیں اور جیسے میں نے پہلے حدیث کے الفاظ سنائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلتَّـائِبُ مِـنَ الذَّنۡبِ کَمَنۡ لَا ذَنۡبَ لَهٗ (گناہ سے سچی توبہ کرنے والا شخص ایسا ہوتا جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں)۔ اللہ تعالیٰ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے یہ بہت بڑی بات ہے بہت بڑی بات ہے۔ یہ ایک INCENTIVE ہے آدمی کے لئے کہ آؤ توبہ کر لو۔ پھر بھی کوئی توبہ نہ کرے تو کوئی یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ ظالم ہے، اللہ ایسے ہے اور اللہ پکڑ لیتا ہے۔ علامہ اقبال نے جوابِ شکوہ نظم میں کہا ہے کہ

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے کوئی راہ رو منزل ہی نہیں

اللہ تعالیٰ تو سارے گناہ معاف کرنے کو تیار ہیں پھر بھی اگر کوئی معافی مانگنے کو تیار نہیں تو قصور

انسانوں کا ہے۔ اگر ہم پھر بھی توبہ نہ کریں تو اس میں ہمارے پاس کوئی جواز نہیں رہے گا قیامت کے دن کہ ہم اللہ سے کوئی شکوہ کرسکیں کوئی COMPLAINT کرسکیں کہ اللہ ہم تو چاہتے تھے توبہ کریں آپ نے راستہ روکا ہوا تھا یا آپ توبہ ہی نہیں کرنے دیتے تھے۔ توبہ کا راستہ کھلا ہوا ہے۔

توبہ کہتے کسے ہیں؟ یہ بات سمجھنا ضروری ہے۔ ہمارے ہاں توبہ کا لفظ عام بولا جاتا ہے۔ ایک توبہ کی قوالی بھی ہے توبہ توبہ توبہ توبہ۔ لیکن توبہ کی قوالی سننے سے توبہ نہیں ہوتی اور یہ جو توبہ کرتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں مجھے آج تک کسی کتاب میں نظر نہیں آیا پتہ نہیں یہ کہاں سے رواج بن گیا ہے لیکن اس سے بھی توبہ نہیں ہوتی۔ البتہ توبہ کی کچھ شرائط ہیں اگر وہ شرائط پوری ہو جائیں تو توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ یہ شرائط اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بتائی ہیں۔ یہ شرائط ایک دفعہ توبہ کرنے میں بھی پوری ہو جائیں تو توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ کچھ آدمی ایسے زبان کے پکے ہوتے ہیں کہ وہ ایک دفعہ جو بات کہہ دیں تو اسی طرح کر دیتے ہیں اور کچھ آدمی اس قسم کے ہوتے ہیں ایک دفعہ دو دفعہ سو دفعہ بھی کوئی بات کہیں تو دوسرے کو یقین نہیں آتا کہ یہ واقعی اسی طرح کرے گا۔ چونکہ توبہ کا معاملہ اللہ سے ہے آدمی ایک دفعہ کہے کہ اے اللہ آج کے بعد میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا اور اس کو نبھا دے تو توبہ ہوگئی۔ اور اگر ہزار مرتبہ صبح استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ کہہ رہا ہے اور ہزار مرتبہ شام کو کہہ رہا ہے لیکن دل سے نہیں کہہ رہا کہ اے اللہ میں گناہ چھوڑوں گا تو اس طرح دو ہزار مرتبہ پڑھنے سے بھی توبہ نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دل کی بات جانتے ہیں جب اللہ تعالیٰ سمجھیں گے کہ یہ آدمی دل سے کہہ رہا ہے تو اس وقت بات بنے گی۔ توبہ واقعتاً سچے دل سے کرنے کی چیز ہے اور اس کے لئے شرائط ہیں۔

ہم سب دو طرح کے معاملات سے واقف ہیں ایک حقوق اللہ یعنی وہ معاملات جو بندے اور اللہ کے درمیان ہیں اور دوسرے معاملات ہیں جو حقوق العباد کہلاتے ہیں۔ مثلاً نماز حقوق اللہ میں شمار ہوتی ہے اور والدین، رشتہ دار، پڑوسی، اساتذہ اور اس طرح دیگر انسانوں کے جو حقوق ہیں وہ 'حقوق العباد' کہلاتے ہیں۔ اسی طرح کسی کو دھوکا دے دینا، کسی کو نقصان پہنچانا، کسی کا حق مارنا، کسی کو پیسے دینے ہیں اور نہیں دے رہے چوری کر کے چھپا لینا وغیرہ۔ پہلے ہم حقوق اللہ سے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ ان میں توبہ کی تین شرائط ہیں۔ گرائمر کے اعتبار

سے تین زمانے ہوتے ہیں ایک ماضی (PAST) یعنی گزرا ہوا زمانہ، دوسرا مستقبل (FUTURE) یعنی آنے والا زمانہ اور تیسرا زمانہ ہے جو کہ حال (PRESENT) کہلاتا ہے جو اس وقت حالات گزر رہے ہیں۔

حقوق اللہ سے متعلق توبہ کی تین شرطیں ان تین زمانوں کے حوالے سے یاد رکھ لیں۔ ماضی میں جو غلطیاں ہوتی رہی ہیں ان کو یاد کریں اور اللہ کے سامنے اعتراف کریں کہ مجھ سے کوتاہی ہوگئی۔ آپ ہی جانتے ہیں کوئی اور تو نہیں، بھائی بھائی کے معالات نہیں جاتا، باپ بیٹے کے معاملات نہیں جانتا، سو فیصد تو کوئی نہیں جانتا کہ یہ کیا کرتا رہا ہے آدمی خود جانتا ہے یا اللہ جانتا ہے۔ لہٰذا آدمی ماضی کی ساری غلطیاں اپنے ذہن میں تازہ کرے اور اللہ کے سامنے اعتراف کرے کہ اللہ مجھ سے یہ غلطیاں ہوگئی ہیں، اس پر پشیمانی ہونی چاہئے اگر پشیمانی نہیں ہوگی تو پھر آدمی کو توبہ کا احساس بھی پیدا نہیں ہوگا جب تک آدمی پشیمان نہ ہو تو توبہ کیوں کرے گا۔ وہ تو کوئی چیز آدمی کو اندر سے کاٹتی ہے کہ تم بہت برے ہو تم توبہ کرلو تب آدمی توبہ کرتا ہے نیند نہیں آتی۔ تو یہ احساس کہ مجھ سے بہت غلطیاں ہوگئی ہیں یہ پہلی شرط ہے۔

دوسری شرط مستقبل سے متعلق ہے۔ اللہ سے وعدہ کرنا ہوگا کہ اے اللہ یہ غلطیاں میں آئندہ نہیں کروں گا۔ صاف دل سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ کرلے۔ اگر دل میں چور ہو کہ میں نے وعدہ پورا تو کرنا نہیں ہے اوپر اوپر سے کہہ رہا ہوں تو پھر اللہ تو دل کی بات جانتا ہے، وہ توبہ ہوگی ہی نہیں۔ صاف دل کے ساتھ وعدہ کرنا ہوگا کہ اے اللہ میں آئندہ نہیں کروں گا اور تیسری شرط زمانہ حال کے متعلق ہے یعنی اس وقت سے متعلق جو ابھی گزر رہا ہے چند لمحے پہلے اور چند لمحے بعد، اس میں وہ کام چھوڑ بھی دینا ہوگا۔ مثال کے طور پر جس آدمی کو سگرٹ پینے کی عادت ہے اور وہ توبہ کرنا چاہتا ہے تو جو سگرٹیں گھر میں پڑی ہیں جو اس کا سامان سارا پڑا ہے وہ سارا ضائع کردیں یا کسی کو شراب پینے کی عادت ہے تو وہ شراب کا سارا اسٹاک گھر سے نکالنا ہوگا اور دوستوں کو بھی بتا دینا ہوگا کہ آج کے بعد ایسی محفلیں نہیں لگیں گی اور بھی جو کوئی اس طرح کے گناہوں کے کام ہیں اس سے متعلقہ ساری چیزیں ضائع کردینی ہوں گی تب زمانہ حال میں بھی شرط پوری ہوجائے گی۔ کچھ لوگ تاش کھیلتے ہیں، اب اگر توبہ کرنی ہے تو وہ سارے کارڈ ضائع کردو۔ یہ نہیں ہے کہ جو

چیز اچھی لگتی ہے وہ رکھ لیں باقی ساری ضائع کر دیں۔ اللہ تو جانتا ہے کہ آپ نے چور دروازہ رکھ لیا ہے اس طرح توبہ قبول نہیں ہوگی۔ زمانہ حال سے متعلق شرط یہ ہے کہ اس گناہ کو فوراً چھوڑ دیا جائے اور اس کے سارے متعلقات کو ضائع کر دیا جائے تب زمانہ حال میں بھی شرط پوری ہو جائے گی۔ اور وہ جو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے وہ بات تو پتھر کی لکیر ہے کہ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ ان شرائط کے ساتھ توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ سارے گناہ معاف کر دے گا۔ ساری رہی ہوئی نمازیں، ساری الٹی سیدھی حرکتیں سب اللہ معاف کر دے گا اور از سرِ نو ایک زندگی کا آغاز ہوگا توبہ کتنی بڑی بات ہے اللہ تعالیٰ ساری سابقہ غلطیاں معاف کرنے کو تیار ہیں۔ تو یہ تین شرطیں حقوق اللہ کے بارے میں ہیں۔

حقوق العباد میں کوتاہی ہو جائے تو اس کی توبہ کی تین شرطیں تو یہی ہیں ان کے علاوہ ایک چوتھی شرط مزید ہے۔ مثلاً کسی کو تکلیف پہنچائی ہے، یا کسی کے پیسے دینے ہیں، کسی کی کوئی چیز لی تھی، واپس نہیں کی اور بڑے لوگوں کے گھپلے ہیں، لوٹ کھسوٹ ہے، قومی قرضے لیے اور ادا نہیں کر رہے ہیں، انسانی زندگی میں اس قسم کی بے شمار غلطیاں ہیں تو ان حقوق العباد میں توبہ کی چار شرطیں ہیں تین وہی ہیں کہ ماضی میں جو کیا اس پر ندامت ہونی چاہئے آئندہ نہ کرنے کا وعدہ ہونا چاہئے اور زمانۂ حال میں اس کو ختم بھی کر دینا چاہئے۔ کوئی آدمی ملاوٹ کا کاروبار کرتا ہے دو نمبر چیز بیچتا ہے اب موبل آئل ایک مہنگی چیز ہے موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں میں ڈالا جاتا ہے صاف ظاہر اس میں کوئی آدھا گھٹیا تیل ملانا شروع کر دے تو بہت منافع کما سکتا ہے، خالص بیچے تو 50 روپے فی لیٹر منافع ہے ملاوٹ کر کے شاید 300 روپے منافع ہو جائے گا بظاہر آمدنی بڑھ جائے گی اور بڑے مزے ہو جائیں گے گاڑیاں آ جائیں گی مکان بن جائے گا وغیرہ وغیرہ لیکن سب حرام کا پیسہ ہوگا۔ تو حقوق العباد میں تیسری شرط زمانہ حال والی بھی ہے کہ اس طرح کے کاروبار کو بند کرنا ہوگا اور چوتھی شرط یہ ہے کہ جن لوگوں کا حق مارا ہے کسی سے کتاب مانگی تھی کہ میں پڑھ کر واپس کر دوں گا اور واپس نہیں کر رہے یا کسی سے پیسے لئے آپ کے پاس ہیں بھی اور نہیں واپس کر رہے، کسی کو نقصان پہنچایا تھا، یہ حقوق العباد میں سے ہے اللہ تعالیٰ ان کو از خود معاف نہیں کریں گے جب تک کہ متعلقہ فریق اس کو معاف نہ کرے۔ آپ نے جس کا حق دبایا تھا وہ معاف

نہ کرے اللہ کیسے معاف کردیں گے چلو اللہ معاف کردیں اور آپ بچ جائیں تو جس کا حق دبایا ہے اس کو COMPENSATE کون کرے گا؟۔ بالفرض ایک چور چوری کرتا ہے وہ رات کو نکلے کہیں چوری کرے اور چوری کا مال لے کر گھر میں رکھے اور دو رکعت نماز نفل توبہ پڑھے اور اللہ توبہ قبول کرلے تو یہ نفع کا ہی سودا ہے کہ روز چوری کرو روز توبہ کرلو، روز چوری کرو روز توبہ کرلو۔ تو جن کی چوری ہوئی ان کے آنسو کون پونچھے گا۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلتا ہے اور یہ بات صحیح ہے کہ جب تک جس کا حق مارا ہوا ہے اس کو واپس نہیں کرو گے اس وقت تک توبہ نہیں ہوگی۔ کسی کے پیسے دینے ہیں اور پیسہ گھر میں پڑا ہے تو جاؤ اس کو دے دو۔ کسی کو تھپڑ مارا تھا اور وہ آدمی ابھی زندہ ہے اس سے جا کر معافی مانگ لو کہ مجھ سے غلطی ہوگئی گالی دی تھی تو معاف کروالو، مرنے کے بعد قیامت کے دن اللہ از خود معاف نہیں کرے گا وہاں تو COMPENSATE کرنا پڑے گا۔ مسلم شریف میں حدیث ہے کہ ایک آدمی قیامت کے دن آئے گا اس کے پاس بہت نیکیاں ہوں گی، نمازیں، روزے، صدقات اور بڑی تسبیحات کی ہوں گی، بڑی نیکیاں ہوں گی لیکن قد شتم هذا و قذف هذا...... بدتمیز اور بدزبان تھا کسی کو گالیاں دی ہوں گی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی پر ظلم کیا ہوگا۔ اب کیا ہوگا؟ جن کا حق مارا تھا وہ حاضر ہوں گے اور اپنا مطالبہ کریں گے (قیامت کے دن کا حساب کتاب ان نوٹوں اور کرنسیوں سے نہیں ہوگا وہاں تو صرف نیکیاں اور بدیاں ہی ہیں) اللہ فرمائے گا اس کی نیکیاں ان مطالبہ کرنے والوں کو دے دو۔ مطالبہ کرنے والوں کے مطالبات ابھی پورے نہیں ہوں گے اور اس کی وہ ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی جو بڑے گھڑ بندھے ہوئے تھے۔ پھر حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان کے گناہ اس کو دے دو۔ اب اس کے پاس نیکی تو باقی نہیں رہی، ان مظلوموں کے گناہ اس کو دے دیے ہیں حتیٰ کہ وہ مطالبہ کرنے والوں کے جو گناہ ادھر ڈالے جائیں گے تو گناہ بہت سارے ہو جائیں گے وہ بالآخر جہنم میں چلا جائے گا۔ تو لوگوں کے حقوق جب تک واپس نہ کیے جائیں اس وقت تک اصولی طور پر توبہ نہیں ہے۔ ہاں کچھ عملی مسائل ہیں کہ میں نے بہت لوگوں کے پیسے کھائے ہیں اور کچھ فوت ہوگئے ہیں اور میرے پاس اب پیسے بھی نہیں ہیں میں غریب ہوں میں کیا کروں اب یہ CASE اللہ جانتا ہے، توبہ تو اس کو بھی کرلینی چاہئے اور جو بندے ابھی زندہ ہوں ان سے جا کر

ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنی چاہئے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی اب میرے پاس پیسے بھی نہیں ہیں اللہ کے لئے معاف کر دو۔ شاید ان میں سے کوئی معاف بھی کر دیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو آدمی خلوص کے ساتھ توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے حالات پیدا کر دیتا ہے۔ کوئی بندہ پہلے ڈاکو تھا، چور تھا اب یہ نمازی ہوگیا ہے اور لوگوں سے معافی مانگ رہا ہے تو لوگ بھی کہتے ہیں کہ ماشاء اللہ یہ بڑا اچھا ہے چلو یار معاف کر دو۔ لوگ جب جنازہ پڑھنے جاتے ہیں تو جنازے سے پہلے ہی اعلان ہوتا ہے یہ آدمی جو فوت ہوا ہے اس نے کسی کو کچھ کہا سنا ہے تو معاف کر دو تو کچھ اچھے لوگ ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ چلو اب آدمی اللہ کے پاس پہنچ گیا ہے مجھے اس نے کوئی گالی دی تھی معاف کر دیا پھر لوگ بھی دیکھتے ہیں کہ بندہ پہلے اور طرح کا تھا اب اس نے توبہ کر لی ہے تو ان کا دل بھی نرم ہو جاتا ہے لوگ بھی معاف کر دیتے ہیں۔ اسی طرح ایک حدیث پاک میں ہے کہ کوئی آدمی بہت مقروض ہے اور اس کی نیت پیسے دینے کی ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسباب پیدا کر دے گا۔ یہ تو ایک صاف نیت کا آدمی ہے چاہتا ہے کہ پیسے ادا کرے لہٰذا کوئی حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانے میں ایک آدمی فوت ہوا اس نے ابھی قرضہ دینا تھا حضور ﷺ نے فرمایا چلو اس کی طرف سے میں دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسباب پیدا کر دیتا ہے اگر نیت صاف ہو تو اللہ تعالیٰ خود بھی کچھ انتظام کر دے گا کہ بندہ مخلص تھا چلو نہیں دے سکا تو ہم اس کی طرف سے COMPENSATE کر دیتے ہیں لیکن متعلقہ فریق جس کے پیسے وہ کھائے بیٹھا ہے اس کو پیسے ملیں گے تب اس کی توبہ ہوگی۔

حقوق اللہ میں تین شرطیں ہیں اور حقوق العباد میں توبہ کی چار شرطیں ہیں اگر یہ چاروں شرطیں پوری ہو جائیں تو بندہ واقعتاً بالکل CLEAN SLATE ایسا ہو جاتا ہے جیسے وہ نئی زندگی شروع کر رہا ہے اس کا کھاتا دوبارہ شروع ہو رہا ہے۔ آج کے بعد دیکھیں گے کہ تم کتنی غلطیاں کرتے ہو پچھلی غلطیاں معاف۔

شروع میں جو بات کہی تھی کہ ہم مسلمان آخرت کو مانتے ہیں دنیا میں اس کے علاوہ کوئی طریقہ نہیں ہے کہ کوئی آدمی سیدھا ہو سکے۔ ایک آدمی چور یا ڈاکو ہے، ایک آدمی لوٹ کھسوٹ کر رہا ہے، ایک آدمی قاتل ہے، ایک آدمی بدمعاش ہے اور کم تولتا ہے، ملاوٹ کرتا ہے، دھوکا دیتا ہے،

اسے روکنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ خوفِ خدا ہو، آخرت پر ایمان ہو، یقین ہو کہ اللہ کو جواب دینا ہے......اس کے علاوہ پولیس والا بھی ہر دکان پہ بٹھادو تو بھی برائی نہیں رُک سکتی بلکہ رشوت بڑھ جائے گی کہ ایک بندہ اور آ گیا ہے۔ان سارے معاملات میں سوائے مذہب کے، سوائے اللہ، رسول اور قرآن کو ماننے کے اور کوئی اصلاح کا طریقہ دنیا میں ہے ہی نہیں۔ اگر اصلاح کے طریقے ہوتے تو یہ غیر مسلم معاشروں میں ساری برائیاں ختم ہوچکی ہوتیں۔ ہم الحمد للہ مسلمان ہیں ٹھیک ہے بد عملی بھی ہے اور لوگ نماز بھی نہیں پڑھتے۔ ہمارے ہاں تو روز بجلی جاتی ہے کئی دفعہ جاتی ہے سونے کی دکان یا کسی قیمتی اشیاء کے سٹور میں لوگ کھڑے ہیں تو بجلی چلی گئی کیمرہ بھی بند ہو گیا ہے۔ امریکہ کی ایک ریاست میں ایک دفعہ 1986ء میں بجلی چلی گئی صرف 20 منٹ کے لئے اور وہاں اتنے ڈاکے پڑ گئے کہ آپ سوچ ہی نہیں سکتے جو آدمی جس سٹور یا جس دکان پر کھڑا تھا سوٹ دیکھ رہا تھا سونے کا زیور دیکھ رہا تھا اور کوئی چیز خرید رہا تھا وہ لے کر باہر چلا گیا، کوئی دیکھ تو رہا ہی نہیں اب بجلی بھی بند ہے خوفِ خدا تو ہے ہی نہیں جو چیز جہاں تھی وہیں سے چوری ہوگئی کروڑوں اربوں ڈالروں کی وہاں ڈکیتی ہوگئی۔ ہمارے ہاں روز صبح سے شام تک دس مرتبہ بجلی جاتی ہے اتنی ڈکیتیاں نہیں ہوتیں یہ وہ احساس ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے اور اس کو جواب دینا ہے اور کوئی مجھے بچائے گا نہیں اس کے علاوہ حقیقتاً اصلاح کا اور کوئی طریقہ ہے ہی نہیں۔

توبہ کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی انسان کو یہ کہہ دیا جائے کہ تم نے جو پچھلی غلطیاں کی ہیں چوریاں، جھوٹ، فراڈ وغیرہ ان کی سزا تو تم نے بھگتنی ہے جہنم میں جانا ہی ہے آئندہ کے لئے توبہ کرلو......تو آدمی کہے گا کہ جہاں پچھلی غلطیوں کی وجہ سے میں ایک سال جہنم میں جاؤں گا وہاں دو سال، چار سال یا دس، بیس سال اور سہی لہٰذا عیش کرو۔ اس کا توبہ کرنے کا ارادہ ہی نہیں بنتا۔ حضور ﷺ نے ایک حدیث میں اس کی ایک مثال بھی سمجھائی ہے کہ ایک آدمی بہت پہلے کسی اُمت میں تھا (یہ کس نبی علیہ السلام کے دور کا واقعہ ہے حدیث میں بھی وضاحت نہیں ہے) اس نے ننانوے بندوں کو قتل کیا تھا ایک کو مارا دوسرے کو مارا بدمعاش ہو گیا جیسے کوئی بڑا ڈاکو بدمعاش ہوتا ہے۔ اس کے دل میں بھی ایک دن احساس پیدا ہوا کہ غلطی ہوگئی ہے مجھے توبہ کرنی چاہئے۔ وہ کسی آدمی کے پاس گیا کسی اچھے آدمی کے پاس گیا ہوگا اپنی کہانی اس کو سنائی کہ یہ میرا

حال ہے میں یوں کرتا ہوں میں یوں کرتا ہوں مجھ سے غلطیاں ہورہی ہیں، میں توبہ کرنا چاہتا ہوں تو بتاؤ میری توبہ ہوسکتی ہے؟ اس نے کہا: تمہاری توبہ نہیں ہوسکتی۔ اس نے اس کو بھی قتل کردیا کہ جہاں میں ننانوے قتل کی سزا بھگتوں گا وہاں سوسول قتل کی سزا سہی، تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ ہرانسان کے اندر یہی جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مجھے سابقہ غلطیوں کی سزا بھگتنے کے لیے جہنم میں جانا ہی ہے تو سزا ایک سال اور سہی ایک سال اور سہی ایک سال اور سہی۔ توبہ کا یہی فلسفہ ہے کہ اس سے سابقہ تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ یہ بات آدمی کو توبہ پر آمادہ کرتی ہے اور احساس پیدا کرتی ہے کہ اگر سابقہ غلطیاں معاف ہورہی ہیں اور میں جہنم میں جانے سے بچ رہا ہوں تو پھر مجھے توبہ کرلینی چاہئے۔ یہ توبہ کا جو تصور ہے یہ اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے۔

ہر آدمی کی توبہ اس کے اپنے حالات کے مطابق ہوتی ہے۔ جس طرح ہر آدمی کی غلطیاں بھی اپنے حالات کے مطابق ہیں۔ مثال کے طور ایک نوجوان ایسا تھا جس کے سارے گھر والے نمازی ہیں والد، والدہ، بہن، بھائی اور گھر کا سارا ماحول ہی دینداری کا ہے۔ وہ کسی دن دوپہر کو سویا اور سوتا رہ گیا اور اس کی ظہر کی نماز قضا ہوگئی گھر والے جگاتے بھی رہے لیکن وہ نہیں اُٹھا نماز قضا ہوگئی اس نے غلطی کی حالانکہ گھر والوں نے جگایا بھی، گھر والے چاہتے ہیں کہ ہمارا بچہ نماز پڑھے اس کو رقم دیتے ہیں اس کی POCKET MONEY زیادہ کرتے ہیں کہ نماز پڑھے قرآن پڑھے پھر بھی اس کی نماز رہ گئی اور ایک نوجوان ایسا ہوسکتا ہے جس کے گھر والے سارے بے دین ہیں اس کے والد صاحب بھی نماز نہیں پڑھتے والدہ بھی، بھائی بھی، بہن بھی۔ اس کو اللہ نے توفیق دے دی ہے اس کے سارے گھر والے کہتے ہیں کہ یہ نماز پڑھا ہی نہ کرے سورہا ہے ظہر کی اذان ہوگئی ہے یہ سویا ہی رہے اس کی کسی دن ظہر کی نماز رہ جائے تو وہ نوجوان جو ایک اچھے گھر کا ہے جس کو جگایا گیا کہ تم نماز پڑھ لو اُس کی ظہر رہ گئی اور اِس نوجوان کی ظہر رہ گئی دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں ہے کہ جو شخص غلط ماحول میں ہے اور وہ پھر بھی نیک ہے اس سے کبھی غلطی ہوگئی وہ اگر توبہ کرے گا تو اس کو اس غلطی کا بھی اجر ملے گا اسے احساس ہے کہ مجھ سے نماز رہ گئی اس کو اس احساس کا بھی بہت بڑا اجر ملے گا۔ سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں ہے: فَـاُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَات ...... اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی برائیوں

کی جگہ نیکیاں لکھ دیتا ہے جو جتنی زیادہ غلطیوں سے توبہ کرے گا اللہ تعالیٰ اتنی نیکیاں لکھ دے گا یعنی توبہ بذات خود ایک بہت اچھا عمل ہے۔توبہ کے علاوہ دنیا سے جھوٹ، فراڈ، بے ایمانی، لوٹ کھسوٹ، دھونس دھاندلی کو ختم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو جواب دہی کا احساس انسانوں کو مجبور کرتا ہے کہ غلط کام نہ کریں۔یہی اس دنیا کی اصلاح کا واحد حل بھی ہے ایمان اسے ہی کہتے ہیں یہ دنیا اللہ نے بنائی ہے، اللہ نے یہی طریقہ نکالا ہے۔ جو لوگ اللہ کو نہیں مانتے، آخرت کو نہیں مانتے، قرآن کو نہیں مانتے، رسول اللہ ﷺ کو نہیں مانتے وہ غلطی پر ہیں انہیں گھیر کر ادھر لانا چاہئے جو مسلمان نوجوان بھی کوئی غلط کام کر رہے ہیں ان کو بھی اسی طریقے پر لانا چاہئے اس کے علاوہ صحیح زندگی گزارنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

جو انسان غلطیاں کر رہا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو اپنا ہی نقصان کر رہا ہے۔ایک بھائی توبہ کر لیتا ہے دوسرا توبہ نہیں کرتا تو وہ کسی کا نقصان تو نہیں کر رہا اپنا ہی نقصان کر رہا ہے۔کل قیامت کے دن احساس ہوگا کہ کاش توبہ کر لیتا۔تو یہ کام ہمیں آج کرنا ہے۔

آج کی گفتگو میں میں نے توجہ دلائی ہے کہ غلطیاں ہر شخص سے ہوتی ہیں (TO ERR IS HUMAN) لیکن عجیب بات یہ نہیں ہے کہ فلاں نوجوان غلطیاں کرتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور یہ توبہ نہیں کر رہا، اللہ تعالیٰ ساری غلطیاں معاف کرنے کو تیار ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے اپنی غلطیاں معاف نہیں کروا رہا۔تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی اس فراخ دلانہ پیشکش سے، اس OFFER سے، اس لوٹ سیل سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور جلدی سے اپنے سارے سابقہ گناہ معاف کرا کے آئندہ اپنے طرزِ عمل کو ٹھیک کر لینا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ان باتوں کی سمجھ اور ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

تعلیم تبلیغ تربیت

بعثت مصطفیٰ ﷺ کا مقصد توحید و آخرت، تلاوتِ آیات، تفہیم کتاب، تعلیم حکمت، تزکیۂ نفس، غلبہ دین

اُمتی کی ذمہ داریاں ختم نبوت کا تقاضا: حضور ﷺ کی آمد کا مقصد پورا کرنے کے لئے اُمت مصطفیٰ ﷺ مسلسل انبیاء کرام (علیہم السلام) والا کام کرتی رہے۔ اُمت وسط اور خیر امت کی حیثیت سے تمام انسانوں پر شہادت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ دین کامل اور اقبال کا مردِ مؤمن۔

یہ کام کیسے ہو؟ تقویٰ اور تزکیۂ نفس کے لئے مسلسل تربیت، ذاتی اصلاح، اہل خانہ کی تربیت اور ماحول کی بہتری کی خاطر ایک اچھا مبلغ اور مصلح بننے کے لئے قرآن و سنت کی روشنی میں

مربی بنئے (جامع دینی تعلیم اور مسلسل روحانی تربیت)

مفت کتابیں بلا معاوضہ فاصلاتی تربیت ملک اور بیرونِ ملک سے خواتین و حضرات کے لئے

جس شخص کو اللہ تعالیٰ خیر سے نوازنا چاہتا ہے اسے دین کا فہم عطا کر دیتا ہے (بخاری، مسلم)

گھر بیٹھے علم دین سیکھنے کا جامع پروگرام

اوپن یونیورسٹی سے آسان طریقہ — نہ کسی مدرسہ میں داخلہ، نہ مروّجہ امتحانات

ہر عمر کے مرد و خواتین کے لیے — پورے ملک کے تمام علاقوں کے لیے

تعلیم الاسلام سرٹیفکیٹ — ڈپلومہ: فاضل علومِ اسلامی

اسناد فضیلت: الاستاذ، رئیس الاساتذہ مبلغ اسلام کورس مدرّسِ قرآن کورس

سکولوں، کالجوں اور دینی مدارس کیلئے خصوصی پیکیج

تعلیمی بورڈ: ڈاکٹر سہیل حسن، صاحبزادہ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن، علامہ زاہد الراشدی، جناب خلیل الرحمٰن چشتی، جناب اکرام اللہ جان، پروفیسر ڈاکٹر حبیب الرحمٰن عاصم، مولانا عبدالمالک، حافظ عاکف سعید، ڈاکٹر ایس ایم زمان، ڈاکٹر سید زاہد حسین، مولانا حنیف جالندھری، ڈاکٹر نجم الدین، مولانا محمد صدیق ہزاروی

دعوت فاؤنڈیشن پاکستان مکان نمبر 1، STI کالونی پلاٹ نمبر 7، سیکٹر H-9 اسلام آباد

فون: 051-4444266، موبائل 0323-5131416-0313-8484860 ای میل: anfides@gmail.com

ان شاء اللّٰہ

علوم قرآن کے شائقین کے لیے خوش خبری

رمضان المبارک کے دوران

2014ء-1435ھ

ترجمة القرآن

کے 3 پروگرام

1۔ جامع مسجد عبیداللّٰہ

(گنبدوں والی) محلّہ سلطان والا جھنگ صدر

2۔ قرآن اکیڈمی جھنگ ،

لالہ زار کالونی نمبر 2،ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

3۔ سٹی آفس انجمن خدام القرآن جھنگ،

گوجرہ روڈ،نزد ریلوے پھاٹک جھنگ صدر

(تراویح کے بعد قرآن مجید کا ترجمہ)

شرکت کی دعوت عام ہے

چشم براہ:عبدالمجید کھوکھر ناظم اعلیٰ و اراکین انجمن

ماهنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

ایک خصوصی اشاعت

کا اہتمام کر رہا ہے

جس کا عنوان ہے:

جنوبی ایشیا میں

ھندو مسلم نظریاتی کشاکش

کا تاریخی جائزہ

آغازِ اسلام سے ایٹمی پاکستان تک

(610ء تا 2014ء)

اہل علم سے درخواست ہے کہ اس خصوصی اشاعت کے لیے قلمی تعاون فرمائیں۔ نیز موضوع سے متعلق تراشے، حوالہ جات اور مضامین ارسال فرمائیں یا مطلع فرمائیں۔

(ادارہ)